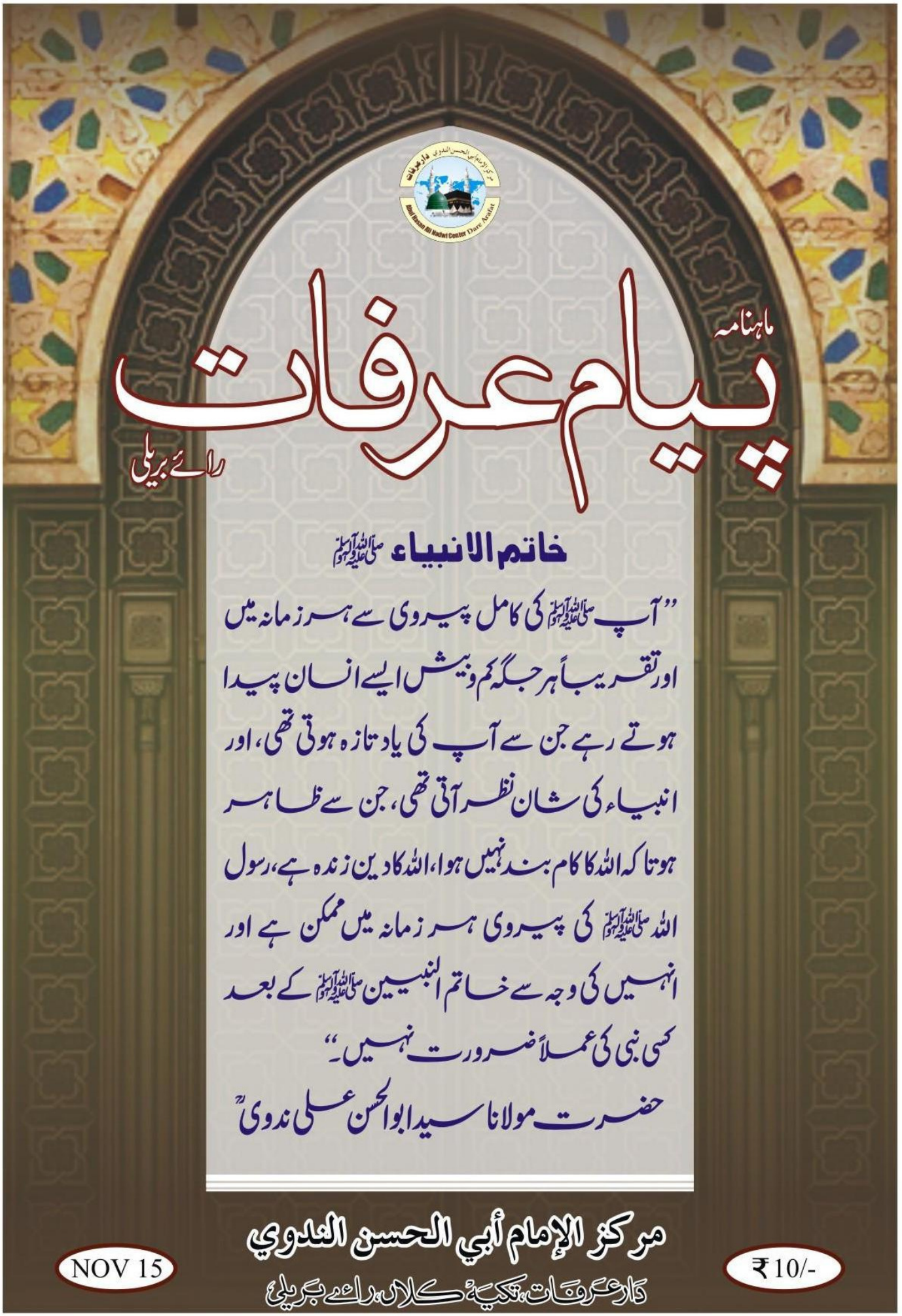

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

خاتم الانبیاء ﷺ

"آپ ﷺ کی کامل پیروی سے ہر زمانہ میں اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش ایسے انسان پیدا ہوتے رہے جن سے آپ کی یاد تازہ ہوتی تھی، اور انبیاء کی شان نظر آتی تھی، جن سے ظاہر ہوتا کہ اللہ کا کام بند نہیں ہوا، اللہ کا دین زندہ ہے، رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہر زمانہ میں ممکن ہے اور انہیں کی وجہ سے خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی نبی کی عملاً ضرورت نہیں۔"

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ

مركز الإمام أبي الحسن الندوي
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی
NOV 15
₹10/-

اتباع کامل—ایمان کامل کی بنیاد

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

"دیکھیے! ہم آپ کو ایک بات نکتہ کی بتاتے ہیں، اسے لے کر جایئے، انشاء اللہ عمر بھر کے لیے کافی ہوگی، اور صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ دین کے احکام بہت ہوگئے ہیں، ہم کو کوئی ایک بات ایسی بتادیجیے جو جامع ہو، جسے ہم پلو میں باندھ لیں، اسی طرح ہم آپ سے ایک بات کہتے ہیں کہ ساری زندگی کے لیے ایک دستور العمل ہے، وہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: "لَایُؤمِنُ أَحَدُکُم حَتّٰی یَکُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئتُ بِهٖ(۱)" (تم میں سے کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفسانی، اس کے دل کی چاہت، اس کے دل کی مانگ، طبیعت کی مانگ، تابع نہ ہوجائے اس کے، جس کو میں لے کر آیا ہوں) اور دیکھیے کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کے اخلاق اتنے بلند وعالی نہیں تھے، کوئی اپنی عبدیت پر اتنا فخر نہیں کرتا تھا، لیکن یہاں حضور ﷺ نے واحد متکلم کا صیغہ اختیار کیا ہے اور اپنی طرف نسبت کی ہے اور اس میں خاص وزن پیدا کردیا ہے جس کو ادب کا ذوق رکھنے والے اور اسرار شریعت کے جاننے والے سمجھ سکتے ہیں۔ آپ یوں کہہ سکتے تھے کہ جب تک وہ اپنی خواہشات نفسانی کو اللہ کے احکام اور قرآن وحدیث کے تابع نہ کردے، لیکن یہاں پر حضور ﷺ کی نبوت کا جو مقام تھا، اور آپ کی نبوت کا جو حق تھا، اور آپ کی نبوت کا جو درجہ تھا، اور اس میں وہ اس وقت، مخاطب کی نفسیات کا، اور اس کے فہم کا، اور ذوق کا بھی آپ نے خیال فرمایا، کہ کم ایسا حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ صیغۂ واحد متکلم بولتے ہوں جیسا کہ یہاں پر (لَایُؤمِنُ أَحَدُکُم حَتّٰی یَکُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئتُ بِهٖ) میں۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن یا صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات نفسانی اس کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں"۔ محمد بن عبداللہ جس کو لے کر کے آئے ہیں کہ آپ نام لے لیتے، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب لے کر کے آئے ہیں، اس کے تابع نہ ہوجائے، اس لیے اس کے اندر ایک خاص قسم کی طاقت پیدا کردی، اس جملے میں غیرتِ نبوت ہے، اللہ کی غیرت کے بعد کوئی بھی غیرت اس کے برابر نہیں، بادشاہوں کی غیرت اس غیرت کے سامنے گرد، یہاں غیرت نبوت ہے، جس کو میں لے کر آیا ہوں، جس نے اس کے خلاف کیا، گویا کہ اس نے میری نبوت کے خلاف بغاوت کی، میرے منصبِ رسالت سے اس نے سرتابی کی۔

تو ہم لوگوں کو چاہیے کہ ہر کام کے کرنے سے پہلے یہ خیال کرلیں، ہم اسے اپنی خواہشات نفسانی سے تو نہیں کررہے ہیں، اور یہ حضور ﷺ کے فرمان، آپ کی شریعت اور قرآن وحدیث کے خلاف تو نہیں ہے؟ بس یہ ساری زندگی کے لیے کافی ہے۔"

(بحوالہ:- رمضان المبارک اور اس کے تقاضے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

جلد: ۷ | نومبر ۲۰۱۵ء | شمارہ: ۱۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دار عرفات)
نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دار عرفات)

مجلس ادارت
بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت
محمد نفیس خاں ندوی

سراپا روشنی

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً ☆ وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً ☆ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلاً كَبِيراً ﴾

اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے ☆ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشنی بکھیرنے والا چراغ (بنایا ہے) ☆ اور آپ اہل ایمان کو خوشخبری دے دیجیے کہ ان کو اللہ کی طرف سے بڑا فضل حاصل ہونے والا ہے

(الاحزاب: ۴۵-۴۷)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
Mail: markazulimam@gmail.com

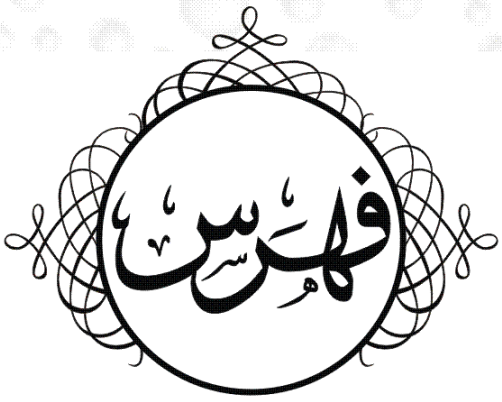

ملک کی نازک صورت حال (اداریہ) ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

عظمتِ رسالت ﷺ ۴
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

بعثت نبوی اور دور جاہلیت ۶
مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

حبِ نبوی ﷺ ۷
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی ﷺ - قرآن کریم کے آئینہ میں ۸
بلال عبدالحی حسنی ندوی

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ۱۰
مولانا عزیز الحسن صدیقی

نماز کے واجبات (پہلی قسط) ۱۱
مفتی راشد حسین ندوی

وسیلۂ نجات ۱۴
عبدالسبحان ناخدا ندوی

جنت کا مستحق ۱۷
محمد ارمغان بدایونی ندوی

اپنی زندگی کا جائزہ لیجیے ۱۸
خلیل احمد حسنی ندوی

بین المذاہب - آفاقیت ومقامیت کی کشمکش ۱۹
محمد نفیس خاں ندوی

بعد از خدا تم ہو

نتیجۂ فکر

حضرت مولانا محمد اسعدؒ

(خلیفۂ اجل حضرت حکیم الامتؒ)

مجھے کیا علم کیا تم ہو خدا جانے کہ کیا تم ہو
بس اتنا جانتا ہوں محترم بعد از خدا تم ہو

کسی کی آرزو کچھ ہو، کسی کا مدّعا کچھ ہو
ہماری آرزو تم ہو، ہمارا مدّعا تم ہو

نہ یہ قدرت زباں میں ہے، نہ یہ طاقت بیاں میں ہے
خدا ہی جانتا ہے بس کوئی کیا جانے کیا تم ہو

رسالت کو شرف ہے ذاتِ اقدس کے تعلق سے
نبوت ناز کرتی ہے کہ ختم الانبیاء تم ہو

کہاں ممکن تمہاری نعت حضرت مختصر یہ ہے
دو عالم مل کے جو کچھ بھی کہیں اس سے سوا تم ہو

گروہ رازداران نظمِ فطرت پر نہیں مخفی
یہ سب ہنگامۂ دنیا خبر ہے مبتدا تم ہو

فصاحت کو تحیر ہے بلاغت کو پریشانی
کہ لفظوں سے بہت بالا جناب مصطفیٰ تم ہو

زمانہ جانتا ہے صاحب لولا لما تم ہو
جہاں کی ابتدا تم ہو جہاں کی انتہا تم ہو

گنہ گاران امت کا سہارا ذات والا ہے
خوشا قسمت کہ حضرت شافع روز جزا تم ہو

یہ ربط باہمی امت کو وجہِ صد تفاخر ہے
تمہارا ہے خدا محبوب محبوب خدا تم ہو

تمہارے واسطے اسعدؔ کہیں بہتر ہے شاہی سے
کہ اک ادنی غلام بارگاہ مصطفیٰ تم ہو

مدیر کے قلم سے

ملک کی نازک صورت حال

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ظلم وسفا کی ایک ایسا مرض ہے کہ جب وہ کسی قوم کے اندر پیدا ہو جاتا ہے تو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر ڈالتا ہے، یہ ایک ایسی آگ ہے کہ جب اس کو جلانے کے لیے کچھ نہیں ملتا تو وہ آگ اپنے آپ کو جلا کر فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے، کسی بھی ملک کے لیے یہ انتہائی خطرناک بیماری ہے اور اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ یہ وبا کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔

انسانیت کا ظلم سے کوئی رشتہ نہیں، انسانوں کی بستی میں جب ظلم ہوتا ہے تو حقیقت میں ایسے درندہ صفت انسانوں کی طرف سے ہوتا ہے جن کا گوشت پوست انسانوں جیسا ہوتا ہے لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے ہوتے ہیں!

ہندوستان کی زمین محبت کی زمین ہے، دنیا کے مختلف لوگوں نے یہاں کا رخ کیا اور اس زمین نے ان کا ایسا استقبال کیا کہ وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے، ہزاروں سال پہلے یہاں دراوڑ آباد تھے، ان کی ایک تہذیب تھی ایک تمدن تھا پھر آرین نے یہاں بسیرا کیا پھر دوسری قومیں بھی آتی رہیں، سب نے یہاں ایک انس محسوس کیا، سب مل جل کر رہے، درمیان میں بعض بعض قوموں پر ظلم کی آگ بھڑکانے کی کوششیں کی گئیں مگر وہ ناکام بنادی گئیں اور حالات نارمل ہو گئے۔

ادھر کچھ عرصہ سے فرقہ وارانہ ذہن رکھنے والوں کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو ملک کو تقسیم کرنا چاہتا ہے، اپنے مفادات کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہے، اس کے لیے وہ ملک دشمن طاقتوں سے بھی پینگیں بڑھانے میں مگن ہے اور انسانیت دشمن قوم کے ساتھ روابط مسلسل ایسے بڑھائے جا رہے ہیں کہ جو بجائے خود اس ملک کے لیے بہت بڑا خطرہ بنتا جا رہا ہے، ادھر ایسے واقعات بھی سامنے آ رہے ہیں جو اس فرقہ وارانہ اور متشددانہ ذہنیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں، اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں وہ سب کھلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے ہے البتہ اس کے تدارک کی ضرورت ہے اس لیے کہ اس سے پوری دنیا میں ملک کی شبیہ خراب ہو رہی ہے۔

یہ قدرے اطمینان کی بات ہے کہ ملک میں ایسا فکرمند طبقہ موجود ہے جو اس کے لیے کوشاں ہے اور اس کو اپنی عزت ووقار سے زیادہ ملک کا وقار عزیز ہے اور وہ اس کے لیے قربانی بھی دینے کو تیار ہے، ایسے لوگوں کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے اور ان کی فکرمندی کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

دنیا کے منظرنامے پر کبھی بھی ملک کی شبیہ اتنی خراب نہیں ہوئی اور نہ اتنی فرقہ واریت پیدا ہوئی جو آج نظر آ رہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طبقہ پریشان ہے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں اس کے خلاف آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں، یہ انتہائی نامناسب صورت حال ہے کہ باہر ملکوں میں لوگ بات کہنے پر مجبور ہو جائیں، مگر یہ بات خوش آئند ہے کہ لوگوں کو اس کا احساس پیدا ہو گیا ہے کہ خالص پڑھا لکھا طبقہ بھی اس کے لیے میدان میں آنے لگا ہے، اس وقت کی یہ بڑی ضرورت ہے کہ حالات کو بہتر بنانے کے لیے اور ذہنوں کو نارمل کرنے کے لیے ہر طبقہ کے لوگ سامنے آئیں، احساس سب کو ہے لیکن اس احساس کو مزید بیدار کرنے کی اور اس فکر کو یک جٹ کرنے کی ضرورت ہے، انسانیت کے نام پر اور ملک کے مفاد کے لیے جب تک ہر طبقہ کے اور ہر کمیونٹی کے لوگ سامنے نہیں آئیں گے حالات کی تبدیلی بہت مشکل ہے، ملک کے اس خطرناک رخ میں واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑی ذمہ داری دانشور طبقہ پر ہے، خالص مذہبی لوگوں پر ہے جن کے اندر حالات کو سمجھنے کی صلاحیت بھی ہے اور جن کے پاس اس کو بہتر بنانے کا لائحۂ عمل بھی ہے۔

عظمتِ رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ..... وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحجرات: ۱-۵)

ترجمہ: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے بڑھنے کی کوشش نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے ☆ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو نبی کے سامنے اپنی آواز کو اونچا نہ کرو، ان کی آواز پر اپنی آواز کو نہ بڑھاؤ، جیسا کہ تم آپس میں بات کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بے شعوری میں تمہارے اعمال ہی اکارت ہو جائیں ☆ اللہ کے رسول کے سامنے جو لوگ اپنی کو آواز کو پست کرتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا ہے، اور ان کے تقوی کو تسلیم کر لیا ہے، ان کو اللہ کی طرف سے بڑی مغفرت اور اجر عظیم حاصل ہوگا ☆ جو لوگ آپ کو آپ کے گھروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بات کو سمجھتے نہیں ☆ حالانکہ اگر وہ تھوڑا صبر کر لیں تو یہ بات ان لوگوں کے لیے بہتر ہوگی اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)

فائدہ:- بے تکلف زندگی میں آدمی جس طرح گھر میں ہوتا ہے کہ بیٹا باپ کا اس طرح احترام نہیں کر پاتا جیسا کرنا چاہیے، اس لیے کہ ہر وقت کا ملنا جلنا ہے، اور ہر وقت ملنے جلنے میں بے تکلفی ہو ہی جاتی ہے، اسی طرح صحابہ کرام کو ہر وقت حضور ﷺ سے جو واسطہ پڑتا تھا تو اس کا امکان ہو گیا تھا کہ وہ اتنا احترام نہ کر سکیں جتنا کرنا چاہیے، اور اس میں بعض مرتبہ کچھ لوگوں سے غلطی بھی ہوئی، اس لیے قرآن مجید میں اللہ کا صاف صاف حکم آ گیا کہ نبی ﷺ کے سامنے اپنے کو نہ بڑھاؤ، بلکہ ان سے معاملہ کرنے، بات کرنے میں اپنے کو چھوٹا رکھو، ایسا نہ ہو کہ تم بات کرنے میں اپنی آواز بلند کرنے لگو، اسی لیے مذکورہ آیت میں اس حکم کے ساتھ اللہ سے ڈرنے کا حکم بھی دیا گیا تا کہ مسلمانوں کی یہ حرکت اللہ کی ناراضی کا سبب نہ بن جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے رسول جس کو اس نے اپنا لیا ہے اور مخصوص کر لیا ہے ان کے سامنے تم برابری کا معاملہ کرو، ان سے بحث کرو یا ان کی بات میں دخل دو۔

آیت کے دوسرے حصہ میں ایمان والوں کو خطاب کیا گیا ہے، کہ جو لوگ اپنے کو ایمان والا سمجھتے ہیں ان کو ان آداب کا خیال کرنا ہوگا کہ وہ نبی کے سامنے اپنی آوازوں کو اونچا نہ کریں، یعنی نبی جس آواز سے بولتے ہیں اس سے پست آواز سے بولیں، تا کہ فرق معلوم ہو کہ تم نبی سے چھوٹے ہو، اور ان کے سامنے اس طرح بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے سخت لہجہ میں بات کرتے ہو، نبی کے سامنے بہت ادب اور تواضع کے ساتھ بات کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہ خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں، تمہاری نیکیاں ضائع ہو جائیں، تمہاری یہ برائی نیکیوں کو ختم کر دے، اس لیے کہ اگر اللہ کو برا لگ گیا کہ اللہ کے نبی کے ساتھ تم نے اس طرح گستاخی کی ہے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اچھے اعمال کو بھی قبول نہیں فرمائے گا، بلکہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے اور تم کو اس کا احساس بھی نہ ہو سکے گا، تم سمجھ رہے ہو گے کہ ہم نے بہت اچھے اچھے کام کئے ہیں، لیکن پتہ چلے گا کہ تمہاری فلاں غلطی سے وہ سب مٹ گئے تھے۔

تیسری آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو آپ ﷺ سے بات کرنے میں احتیاط کرتے ہیں، یعنی حضرات صحابہ کرام جو قریب ترین تھے وہ اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرتے تھے، بعض وقت آپ ﷺ سے اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ اس کو سننے میں دشواری ہونے لگتی تھی، لیکن پھر بھی حضرات صحابہ کرام ڈرتے رہتے تھے، آپ ﷺ کی بات کو کاٹتے نہیں تھے، اور آپ سے زیادہ سوال بھی نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ اس کا بھی حکم دیا گیا تھا کہ جب نبی کوئی بات کہے تو نہ زیادہ سوال کرو، نہ ہی زیادہ پوچھو، وہ جتنی بات بتا دیں بس اسی پر اکتفا کرو اور اسی سے مطلب سمجھ لو، اسے کریدو نہیں، اسی لیے نصیحت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا قصہ ذکر کیا، جس میں زیادہ سوال کرنے کے نقصان کو واضح کیا گیا ہے، بنی اسرائیل سے جب گائے کی قربانی کو کہا گیا تو وہ پوچھنے لگے کہ گائے کیسی اور کس طرح کی ہو؟ جس کی بناء پر انہوں نے اپنے لیے راستہ

تنگ کردیا، اسی لیے حضور ﷺ نے زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے تمہیں خود تنگی ہوجائے گی، گویا اس سے یہ بھی بتادیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی سلسلہ میں ایک عام بات کا حکم دیا ہے تو اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس میں نکتے نہ نکالیں جائیں، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ جب ان کو حضور ﷺ سے کوئی چیز معلوم کرنی ہوتی تھی تو سوچتے تھے کہ کس طرح پوچھیں، کہیں گستاخی نہ ہوجائے، اسی لیے کسی نہ کسی دیہاتی کے انتظار میں رہتے تھے کہ وہ اکھڑ آدمی پوچھ لے گا اور ہمیں بھی سننے کو مل جائے گا، اسی سورت میں ان دیہاتیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ دیہات کے لوگ آکر تیز تیز بات کرتے ہیں یہ بہت برا کام کرتے ہیں، یہ اپنے کو نقصان پہنچاتے ہیں، البتہ وہ لوگ جو اپنی آواز کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے دبا لیتے ہیں، نیچی کرلیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لیے جانچ لیا ہے، یعنی یہ لوگ عمل میں صحیح ثابت ہوئے ہیں، رب العالمین کی جانچ میں صحیح اترے ہیں، جس طرح اللہ چاہتا ہے کہ اس کے رسول کے ساتھ نرم لہجہ اور آہستہ سے بات کی جائے، یہ لوگ اس کی احتیاط کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

چوتھی آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا گیا جو ان کے برعکس لوگ تھے، یعنی وہ دیہاتی لوگ جو گاؤں، دیہات سے آتے تھے، اور وہ اکھڑ لوگ ہوتے تھے، جو تہذیب نام کی کوئی چیز نہیں جانتے تھے، بڑے سے کس طرح بات کرنا چاہیے، برابر والے اور چھوٹے سے بات کرنے کا کیا طرز ہونا چاہیے، دیہات کے لوگوں کو ان آداب کا کچھ بھی علم نہ تھا، چنانچہ ایک مرتبہ دیہات کے کچھ لوگ آئے، انہوں نے باہر سے محمد محمد پکارنا شروع کردیا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بات سنا سکیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کا یہ آواز لگانا کسی بری نیت سے نہیں بلکہ محض ناواقفیت کی بنیاد پر تھا، لیکن بے ادبی بے ادبی ہی ہوتی ہے خواہ بری نیت سے نہ ہو، اس لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ جو لوگ آپ کو آپ کے گھروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بات کو سمجھتے نہیں، ان میں اتنی سمجھ نہیں کہ کس طرح حضور ﷺ کو بلانا چاہیے، کس طرح آپ سے درخواست کرنی چاہیے، حالانکہ اگر وہ تھوڑا صبر کرلیں، اس بات کا انتظار کرلیں کہ جب آپ اپنے گھر سے نکلیں تب آپ سے بات کریں، آپ کو گھر کے اندر سے آواز دے کر نہ بلائیں، کیونکہ نہ جانے آپ کس حال میں ہوں، کس مشغولیت میں ہوں؟ تو یہ بات ان لوگوں کے لیے بہتر ہوگی، اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے، یعنی چونکہ ان لوگوں نے بدنیتی سے ایسا نہیں کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی اس غلطی کو معاف کردے رہا ہے، لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا یہ کام غلط اور نقصان دہ ہے، البتہ وہ شہری لوگ جن کو یہ چیزیں معلوم ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ ان کو بھی تنبیہ کردی کہ اس بات کا لحاظ رکھو، اللہ کے نبی کو تم معمولی چیز نہ سمجھو، ان کا اللہ سے خاص تعلق ہے، اور اس تعلق کی وجہ سے ان کو تم پر ایسی برتری حاصل ہوگئی ہے کہ وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے، گرچہ وہ انسان ہیں لیکن اللہ نے ان کو اپنا لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی پوری سرپرستی فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایات دیتا ہے، فرمان الٰہی ہے ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳-٤) (آپ جو بات بھی کہتے ہیں اپنے دل سے نہیں کہتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ اور رہنمائی کی بنیاد پر کہتے ہیں) معلوم ہوا آپ کے کہنے کو آپ کا کہنا نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ درحقیقت وہ اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کی شخصیت کا شمار ''شعائر اللہ'' میں ہوتا ہے، اس لیے آپ کے ساتھ احترام کرنا، آپ کی بات پر عمل کرنا، آپ کے حکموں کی تعمیل کرنا، آپ سے محبت کرنا ہم سب پر لازمی ہے، صحابہ کرام کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی صحابی سے ان کے شہید کئے جانے کے وقت یہ معلوم کیا جاتا کہ بتاؤ کیا تمہاری جگہ محمد کو (ﷺ) کو شہید کردیا جائے تم اس پر راضی ہو؟ وہ جواب دیتے کہ آپ ﷺ کو کانٹا بھی چبھے ہم کو یہ بھی گوارہ نہیں، چہ جائیکہ ان کو شہید کردیا جائے، صحابہ کرام کو واقعی ایسی ہی محبت تھی، اور اسی محبت کا مطالبہ سارے امتیوں سے ہے کہ آپ سے ایسی محبت ہو جو سوائے اللہ کے کسی سے نہ ہو، نہ ماں باپ سے، نہ اولاد سے، نہ مال ومتاع سے، کسی بھی چیز سے اتنا لگاؤ اور محبت نہ ہو جتنی اللہ کے رسول سے ہو، کیونکہ جب محبت ہوگی تو انسان آپ کے نمونہ پر عمل بھی کرے گا، آپ کی سنت کی پیروی بھی کرے گا اور آپ کی ہر چیز کو اچھا سمجھے گا۔

بعثت نبوی ﷺ اور دور جاھلیت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

چھٹی صدی عیسوی اور بیسوی صدی عیسوی کی جاہلیت میں قدرے اشتراک اور عصر حاضر کے انسان کی صورت حال چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے انسان کی حالت سے کس قدر میل کھاتی نظر آتی ہے، وہ حالت جو نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل تھی، بحیثیت مجموعی دونوں جاہلیت کے دور ہیں، البتہ پہلی جاہلیت یونانی اور ایرانی تہذیب وتمدن کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی تھی، جاہلیت کی باگ ڈور قبائلی اور نسلی تعصب کے ہاتھوں میں تھی، اور عداوتیں، رنجشیں، باہمی نفرت، قتل وغارت گری اس کے لیے رسد رسانی اور ایندھن کی فراہمی کا ذریعہ تھی، اور موجودہ جاہلیت کی رہبری مادہ پرست فلسفے، کھوٹے نظریے، اوچھے ترچھے پیمانے کررہے ہیں۔ اور اس کو کینہ ودشمنی، اور حرص وہوس غذا بہم پہنچاتے ہیں اور علاقائی، قومی، نسلی، تمدنی عصبیت اور رنگ ونسل کے مختلف شعبوں میں منحصر قبیلہ پرستی اپنے دائرے میں لیے ہوئے ہے، ماقبل اسلام کی جاہلیت قبائلی مظاہرات، بازاروں اور میلوں، جنگوں اور سورماؤں پر فخر کرتی تھی تو آج کی جاہلیت عظیم الشان شہروں، بین الاقوامی کانفرنسوں، ایٹمی ہتھیاروں کی صنعت کاری، فن کار ماہرین، سائنس دانوں پر نازاں ہے، گذشتہ جاہلیت بچیوں کو زندہ درگور کرنے، عورتوں کی تذلیل، ماں کی مامتا پر پابندی لگانے، خاندانی دائرے کو تنگ کرنے میں پیش پیش تھی تو زمانہ حال کی جاہلیت کے نمائندہ ممالک خاندانی منصوبہ بندی اور عورتوں کو بے قیمت اور بے حیثیت بنا کر پیش کرنے، آزادانہ اور بے محابہ جنسی آسودگی حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے لیے قیمتی انعامات کے اشتہارات دیتے ہیں جو خاندانی منصوبہ بندی کے اصول اپناتے ہیں اور ایک بچے اور بچی کی پیدائش پر اکتفا کرتے ہیں۔

اسی طرح کے اور بھی بہت سے پہلو ہیں جس میں دونوں جاہلیت کے رول مشترک نظر آتے ہیں۔ زمانہ قدیم کی جاہلیت اپنے ابتدائی مراحل میں جب حد سے تجاوز کرگئی اور سارے قید وبند توڑ دیئے اور مختلف انسانی معاشرے میں اس کا سکہ چلنے لگا تو قریب تھا کہ انسان انسانی امتیازات سے دست کش ہوجائے اس وقت پوری انسانیت تباہی کے آب خوردہ کگار پر کھڑی تھی، اور دنیا کا خاتمہ بہت قریب نظر آرہا تھا اور پوری دنیا اپنی تہذیب وثقافت اور تمدن وقومیت اور صنعت وحرفت سمیت صفحۂ ہستی سے مٹنے کو تھی کہ اللہ تعالی نے اس حیرت انگیز صورت حال اور انتہائی کٹھن موقعے پر اسی عالم کے بقا اور اس کو جاہلیت اور بدبختی کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان اور خوش نصیبی کی راہ پر لانے کا فیصلہ فرمایا، اور حضور اکرم ﷺ کو ایک انمول پیغام دے کر بھیجا جس نے تباہی کے کھڈ پر کھڑے حواس باختہ انسانوں کی دست گیری فرمائی، اور حقیقی زندگی اور امن وسلامتی کے کشادہ میدان میں اس کو اتار دیا۔ آپ ایک نئی دعوت لے کر تشریف لائے، جس نے دلوں کو خدا پر اعتماد اور وحدانیت پر ایمان کے جذبے سے سرشار کردیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس دور کے انسان کے سامنے پیغام خداوندی پیش کیا، اور کلام الہی کی آیتیں تلاوت فرمائیں اور شرک وجہالت کی آلودگیوں سے اس کو پاک کردیا۔ اور کتاب الہی اور حکمت ربانی کی تعلیم فرمائی، نور ہدایت کو پھیلانے، فضائل اور حسن اخلاق کو عام کرنے، معمولی باتوں اور حقیر وچھوٹے چھوٹے اغراض سے روکنے اور لوگوں کو گمراہی اور تاریکیوں سے نجات دلا کر راہ راست پر لانے اور نور حق سے بہرہ ور کرنے کے لیے ہر طرح کی مشقت اور تکلیف برداشت کی:

﴿هو الذی بعث فی لأمیین رسولا من أنفسهم یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وإن کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾

(وہی ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر منتخب کرکے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت، اور ان کو آلائشوں سے پاک، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ اور اس کی بعثت سے قبل وہ سب کھلی گمراہی میں تھے۔)

اور یکا یک کایا پلٹ گئی، کائنات کی ہر چیز بدل گئی، لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے، سارے عالم میں باہمی محبت اور تعاون کی فضا قائم ہوگئی.....

حبِ نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا عبداللہ حسنی ندوی

دنیا میں انسان کے کسی سے محبت کرنے کے تین بڑے سبب ہوتے ہیں: (۱) احسان (۲) کمال (۳) جمال۔

اگر کوئی شخص کسی کی ذات پر احسان کرتا ہے تو اس شخص کو اپنے محسن سے اسی درجہ کی محبت ہوگی جس قدر اس کا احسان ہوگا، اگر کوئی غریب ہے آپ اس کی مدد کردیں تو وہ محبت کرے گا، آپ کسی کو دیکھیں کہ کوئی گڈھے میں جارہا تھا اور آپ اس کو بچالیں، تو وہ پوری زندگی آپ سے محبت کرے گا، گویا اس دنیا میں اللہ نے ایسا نظام رکھا ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسان کا احسان ہے، جیسے: ماں کا احسان، باپ کا احسان، ساتھیوں کا احسان، لیکن ان سب محسنین کے احسان کو ماننے کے ساتھ انسان کو یہ غور کرنا چاہیے کہ سب سے بڑا احسان تو اللہ کا ہے کہ اس نے جانور نہیں بلکہ انسان بنایا اور پھر صاحب ایمان بنایا اور صاحب ایمان میں نماز، روزہ والا بنایا، اور اس کے بعد یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے اس احسان عظیم کے بعد اس محسن انسانیت کا سب سے بڑھ کر احسان ہے جس نے انسانیت کو جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔

اسباب محبت میں دوسری چیز کمال ہے، اگر کسی انسان کے اندر کمال ہوتا ہے تو لوگوں کو اس سے محبت ہوجاتی ہے، یعنی کوئی اچھی تقریر کرتا ہے، اچھی تدریس کرتا ہے، اچھا کام کرتا ہے، یہاں تک کہ آج حال یہ ہے کہ کھلاڑیوں سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کھیل میں کمال حاصل کرلیتے ہیں، حالانکہ ان سے ہرگز محبت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے قیامت کے روز آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی، اس لیے اس بات سے ہر شخص کو توبہ کرلینا چاہیے۔

تیسری چیز جمال (خوبصورتی) ہے کیونکہ انسان کو ہمیشہ اچھی چیز سے محبت ہوتی ہے، مثلاً: اچھا گلدستہ، اچھا پھول، اچھی گاڑی وغیرہ وغیرہ، کیونکہ یہ فطرت انسانی ہے کہ خوبصورت چیز کی طرف انسان کی طبیعت خود بخود مائل ہوجاتی ہے، لیکن کامیاب شخص وہ ہے جو دنیا کی مصنوعی خوبصورت چیزوں سے متاثر نہ ہو، بلکہ اللہ کی محبت کے لیے اپنے دل کو فارغ کرلے، کیونکہ اللہ سے بڑھ کر حسن و جمال والا کون ہوسکتا ہے؟ اور صحیح معنی میں عقل مند بھی ایسے ہی شخص کو کہا جائے گا جو اللہ سے محبت کرے، کیونکہ آج دنیا میں ہم کو حسن و جمال کے جتنے پیکر نظر آتے ہیں ان سب کا مصدر اصلی اور خالق حقیقی وہی ایک ذات ہے، یہی وجہ ہے کہ جن اللہ کے نیک بندوں کو اس طرح کی صحیح سوچ نصیب ہوئی تو وہ خدا کی یاد میں ایسے مست ہوگئے کہ صرف لفظ اللہ ہی سے ان کو لطف آتا تھا، یہاں تک ان کی ایسی کیفیت ہوجاتی تھی کہ ایک مرتبہ اللہ کا نام لیا گیا اور دل دھڑکنے لگا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد، محبت کا سب سے پہلا حق حضور اکرم ﷺ کا ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا معاملہ نہایت بلند و بالا ہے، اس لیے کہ آپ اللہ کے محبوب ترین بندہ ہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ کو اتنے پسند ہیں کہ آپ کی پسند پر ان کی پسند ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بھی چاہنا ضروری ہوگا اور ان سے بھی محبت کرنی ہوگی، اور یوں بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رسول ﷺ کے ذریعہ سے ہی ہم سب کو پورا دین، زندگی گزارنے کا طریقہ اور دستور العمل ملا، آخرت کا صحیح تصور اور جنت کی بہاریں ملیں۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا محبت کرنے کے تین اسباب پر غور کرکے ہم کو اپنی عقلی محبت بیدار کرنا چاہیے، حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان مذکورہ بالا تینوں اسباب پر غور کرے تو اس کے اندر عقلی محبت پروان چڑھتی ہے، اور پھر اسی عقلی محبت کے بعد طبعی محبت کی وہ چنگاری جو انسان کے اندر دبی ہوئی ہے سامنے نکل کر آتی ہے، جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پھر محبت کی وجہ سے انسان کا ہر انداز نرالا ہوجاتا ہے، ہر شان نرالی ہوجاتی ہے، ایک ایک لفظ محبت میں ڈوبا ہوا اور دلوں کو چھوتا ہوا نکلتا ہے، لیکن یاد رہے کہ اگر ہم نے ان سب باتوں کو سمجھنے کے بعد بھی اپنے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے علاوہ کسی اور کی محبت کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس قسم کے لوگوں کے بارے میں وضاحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ اگر تم نے میرا راستہ چھوڑا، اور مرتد ہوگئے، تو اللہ ایک ایسی قوم لائے گا جو ایک دوسرے کو خوب چاہیں گے اور اللہ سے بھی بہت محبت کرنے والے ہوں گے۔

سیرت نبوی ﷺ

قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ماننے پر اللہ کا خاص انعام

اہل کتاب کو نہ ماننے پر جتنی سخت نکیر کی گئی اسی طرح ماننے اور ایمان لانے پر دوہرے اجر وثواب کا وعدہ بھی کیا گیا، وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لا چکے تھے، اب آخری نبی ﷺ کو بھی انہوں نے مانا، آپ پر ایمان لائے تو ان کے لیے دوگنا اجر ہے، ارشاد ربانی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحدید: ۲۸) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو بھاری حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسی روشنی فراہم کرے گا جس میں تم چل سکو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)

ایک دوسری آیت میں جہاں ایک طرف کتب سماویہ میں آنحضور ﷺ کی بشارت کا تذکرہ ہے وہیں اہل کتاب کے ایمان لانے پر ان کی کامیابی کا بھی تذکرہ کیا جارہا ہے، ارشاد ہے ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِيَ أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الأعراف: ۱۵۷) (جو اس رسول کی پیروی کریں گے جو نبی امی ہے جس کا (تذکرہ) وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا پاتے ہیں جو ان کو بھلائی کی تلقین کرے گا اور ان کو برائی سے روکے گا اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے ان کے بوجھ کو اور ان پر لدی ہوئی بیڑیوں کو اتارے گا، بس جو اس کو مانیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی مدد کریں گے وراس نور کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اترا تو وہی مراد کو پہنچیں گے)۔

اس آیت شریفہ میں اہل کتاب پر آپ ﷺ کے خصوصی احسانات کا ذکر کیا جارہا ہے، گذشتہ شریعتوں میں جو بعض نہایت سخت احکامات تھے، آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کو نرم فرمادیا اور ان کے اوپر لدا ہوا بوجھ اتار دیا، بس اہل کتاب یہود ہوں یا عیسائی ان کو اس آخری نبی اور آخری دین کی قدر کرنی چاہیے، اور اس کو ماننا چاہیے کہ اس میں دنیا میں بھی ان کو سہولت اور کامیابی ہے اور آخرت کی کامیابی کا تنہا یہی راستہ ہے۔

کفار و منافقین کا طرز عمل

اللہ تعالیٰ نے کفار ومنافقین کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ بات نہیں مانتے اور اکڑتے ہیں، گویا کہ آنحضور ﷺ کی نافرمانی کو کفر ونفاق کی علامت بتایا جارہا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودا﴾ (النساء: ٦١) (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ تو آپ ان منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف (آنے میں) اٹک اٹک کر رہ جاتے ہیں)۔

کفار ومشرکین کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُواْ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ﴾ (المائدۃ: ١٠٤) (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا اس کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہم کو کافی ہے خواہ ان کے باپ دادا ایسے ہوں کہ نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ صحیح راہ چلتے ہوں)

اطاعت رسول پر سب سے بڑا انعام خداوندی

دین کی جان اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے، شاعر نے خوب کہا ہے:

محمد (ﷺ) کی اطاعت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو پھر دین نامکمل ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی اطاعت پر جس تحفہ کا اعلان فرمایا ہے وہ کسی چیز پر نہیں مل سکتا، یہ آنحضور ﷺ کی محبوبیت کی انتہاء ہے کہ ارشاد فرمادیا: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱) (آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)۔

اس سے بڑھ کر شان محبوبیت کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی محبوبیت کی علامت قرار دیا۔

ترغیب کے باب میں اس سے زیادہ اور کون بات ہوسکتی ہے، اس سے ایک طرف اطاعت رسول ﷺ کی انتہائی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف آنحضور ﷺ کی انتہائی محبوبیت کا بھی، اب یہ بات ظاہر ہے کہ یہ اطاعت جتنی زیادہ مکمل ہوگی اللہ کی طرف سے اسی اعتبار سے محبوبیت حاصل ہوگی، آپ ﷺ نے قرآن مجید کی جو تفسیر فرمائی، دین کی جو تشریح فرمائی اور اپنے قول وعمل سے امت کے لیے اس کو کھول دیا اس کے ایک ایک جز پر عمل کرنا امت کی ذمہ داری ہے، یہاں تک جو شخص آنحضور ﷺ کی چال ڈھال، آپ کے عادات واطوار کا بھی شیدائی ہوگا، آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو اختیار کرے گا، اور حیات طیبہ کی ہر ہر خوشبو سے مشام جان کو معطر کرے گا، وہ اتنا زیادہ محبوب الٰہی بنتا چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہوں کو بخش دیں گے، اور اگر کبھی بھول چوک ہوئی تو معاف فرمادیں گے، مگر شرط یہی ہے کہ اطاعت مکمل ہو، اور کوشش یہ کی جائے کہ سرمو اس سے انحراف نہ ہو۔

بقیہ: بعثت نبوی ﷺ اور دور جاہلیت

.....اخوت والفت کی روح انسانی معاشرہ کے مردہ جسم میں سرایت کرگئی، ہر ایک نے مل کر اللہ کی رسی تھام لی، اور انتہائی سکون واطمینان، امن وسلامتی، عزت و وقار، ہدایت وعبادت، اخوت ومحبت، عظمت ورفعت کے ساتھ زندگی گزاری، اور جب بھی شیطان نے ان کی مضبوط کڑی بکھیرنے، ان کی طاقت کو توڑنے اور ان کے اتحاد باہم کو پارہ پارہ کرنے کی ناپاک کوشش کی، انہوں نے اس فرمان الٰہی سے سبق حاصل کیا: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا﴾ (اللہ کی رسی مل کر مضبوطی سے تھام لو، اور ٹکڑیوں میں نہ بٹو!) اور پہلی فرصت میں اس کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرلیا۔

زمانہ قدیم کی جاہلیت کا خاتمہ نبی کریم ﷺ نے اپنی دعوت وپیغام کے ذریعہ سے فرمایا، جو خدا کی طرف سے لے کر آئے تھے اور ساری دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، تو ہم کیسے امید کرتے ہیں کہ موجودہ جاہلیت کا خاتمہ آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے بغیر ممکن ہوگا، اور ہم کیسے توقع کرلیتے ہیں کہ تہذیب وتمدن اور صنعت وحرفت اور اقتصادی ترقی کے فارمولوں اور سیکولر فلسفوں اور مادی نظریات سے وہ مٹ جائے گی، اور کیسے آرزو کی جاسکتی ہے کہ وہ پرفریب سیاسی طریقوں اور اقوام متحدہ کی امن کانفرنسوں اور چوٹی کی سطح پر منعقد سیمیناروں اور بڑے بڑے کیمپوں کے اندر امن معاہدوں کے ذریعے تحلیل ہوجائے گی!؟ ہرگز نہیں!! وہ صرف خدا کی ہدایت ورہنمائی جو حضور ﷺ سے حاصل ہوئی، اور اسلامی دعوت جو نبی کریم ﷺ نے پیش کی، جس کا تمام دنیا کے سامنے کھل کر اعلان کیا، صرف اسی کے ذریعے اس کا خاتمہ ممکن ہے: ﴿كلا إنها تذكرة فمن شاء ذكره﴾ (خبردار! درحقیقت وہ ایک بڑی نصیحت ہے، لہٰذا جو چاہے ذہن نشین کرلے!

ہر فرد کے مطالعہ کے لیے

اسلامی عقائد - قرآن وسنت کی روشنی میں

اسلام کے بنیادی عقائد کا تفصیلی تعارف، ان عقائد کی حساسیت اور اس سلسلہ میں عوامی کوتاہی وغفلت کی نشاندہی، نہایت آسان اور سہل اسلوب میں ایک علمی تحفہ۔

بقلم: مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

صفحات: ۱۵۲ قیمت: ۷۰/ روپئے

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی

(Mobile:- 9919331295)

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

مولانا عزیز الحسن صدیقی

بلاشبہ آزادی سے پہلے بھی ہندوستانی مسلمانوں کو فرقہ پرستوں کی یورش کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن آزادی کے بعد فرقہ پرست تنظیموں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا ہے، حکومت خواہ کسی پارٹی یا دھڑے کی ہو، دستور و آئین اور قانون کی دفعات کچھ بھی کہتی ہوں مگر سرکاری مشینری پر قبضہ ہندو توادیوں کا ہی رہتا ہے، اور وہ اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں، اقلیتوں، دلتوں اور کمزور طبقات کو دبا کر اور کچل کر رکھنے کی پالیسی ہر دور میں رہی ہے، چانکیہ نے حکمرانی کے جو اصول وضع کیے تھے ان پر پورا عمل ہوتا رہا ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب کہ ملک میں اسپین جیسے حالات پیدا ہو رہے تھے اور مسلمان ترک وطن کر رہے تھے تو علماء نے انہیں استقامت کا درس ہی نہیں دیا بلکہ ان کے قدم جمانے کی بھرپور کوشش بھی کی، چونکہ ملک کی آزادی کی تحریک میں علماء نے قائدانہ رول ادا کیا تھا اور بے پناہ قربانیاں دی تھیں اور آزادی کے بعد عرصہ دراز تک اس ملک کے درو بست پر قبضہ اس طبقہ اور گروہ کا رہا جو علماء کی قربانیوں سے آگاہ تھا اس لیے علماء کی طرف سے پیش کیے جانے والے کچھ مطالبات پورے ہو جاتے تھے، آزادی کی تحریک سے جڑے ہوئے بہت سے سیاسی لیڈر جو حکومت میں دخیل تھے ان کی آنکھوں میں ابھی مروت باقی تھی اسی لیے کبھی کبھی وہ مسلمانوں کے آنسو پونچھ دیا کرتے تھے، جب کہ آج حالات بالکل مختلف ہیں، فرقہ پرست تنظیموں نے اسپین اور اسرائیل کا دورہ کر کے اور وہاں کے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لے کر مسلمانوں کو رسوا اور ذلیل کرنے اور دہشت گرد ثابت کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے، اسپین میں لگ بھگ آٹھ سو برس تک اسلام کا پرچم لہراتا رہا لیکن اچانک کیا ہوا کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکلنا پڑا، اس نکتہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واشگاف ہو کر ہمارے سامنے آجائے گی کہ جس ملک میں مسلمانوں نے حوصلہ مندی کے ساتھ قدم رکھا تھا اور اس کو سجایا اور سنوارا تھا، علم کا مرکز بنایا تھا، عظیم الشان مسجدیں تعمیر کی تھیں، جہاں صد فیصد لوگ تعلیم یافتہ تھے، جہاں یورپ کے لوگ آکر فلسفہ و سائنس کا درس لیتے تھے، جب مسلمان اپنے منصب سے پھر گئے، داد عیش دینے لگے اور بلند و بالا عمارتیں اور مجسمے کھڑے کرنے لگے، دین کی دعوت دینا بھول گئے، آپس میں دست و گریباں ہو گئے، حکمراں جوڑ توڑ اور محلاتی سازشوں کے شکار ہو گئے، علماء سرکاری تنخواہوں اور مناصب پر فخر کرنے لگے تو عیسائیوں کو کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا اور بالآخر وہ دن بھی آیا جب مسلمانوں کو اس ملک کو خالی کرنا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسپین کی تاریخ بڑی دل دوز و خون چکاں ہے، اس کو پڑھنے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے، ہم اس وقت اس کے حوالہ سے ہندی مسلمانوں سے مختصر الفاظ میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، سب سے پہلے ہم ان سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اوپر ہم نے اسپین کے جو حالات اور مسلمانوں کے زوال اور گریز پائی کے جو اسباب بیان کیے ہیں، کیا وہ اسباب وطن عزیز میں نہیں پائے جاتے؟ کیا ہمیں ان سازشوں کا علم ہے جو ہمارے خلاف رچی جا رہی ہیں؟ کیا ہم ان منصوبوں سے واقف ہیں جو ہمیں مٹانے کے لیے تیار کیے جا چکے ہیں؟ کیا ہمیں بیرونی طاقتوں اور اسلام کے ازلی دشمنوں کی کارروائیوں کی بھنک لگ پاتی ہے؟ کیا ہم ان خطرات کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر سکے جو بڑھتے چلے آرہے ہیں؟ کیا ہمارے خوش حال لوگ داد عیش نہیں دے رہے ہیں؟ کیا ہم آپس میں دست و گریباں نہیں ہیں؟ کیا ہماری تنظیمیں آپس میں ٹکرا نہیں رہی ہیں؟ کیا ہم مسلکی جنگ سے باز آگئے ہیں؟ اسپین میں عیسائیوں نے جو اودھم مچا رکھی تھی اور حکومت پر قابض ہونے کے بعد انہوں نے جس طرح وہاں کے مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنا ڈالا تھا، ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا تھا، ان کو گھس پیٹھیا کہا جانے لگا تھا، ان کے تعلیمی مراکز کو تہس نہس کر دیا گیا تھا، ان کے خلاف الزام تراشیاں کی جاتی تھیں، گھروں کی تلاشی اور گرفتاری عام ہو گئی تھی.....

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

قسط نمبر: ۱۰

نماز کے واجبات

مفتی راشد حسین ندوی

اوپر ہم نماز کی شرائط اور ارکان کی بحث کر چکے ہیں، ہم نے ذکر کیا کہ ارکان کو فرائض بھی کہا جاتا ہے، فرض اس کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کی کسی آیت، حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے ثابت ہو، اور حکم بھی بالکل صاف صاف ہو، علمی الفاظ میں اس کو اس طرح کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت کسی ایسی دلیل سے ہو جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہو، شریعت میں کوئی فرض جب اس طرح سے ثابت ہو تو اس کا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور اس کا انکار کرنے سے ایمان سلب ہو جاتا ہے، نماز یا کسی عبادت کے کسی فرض کو چھوڑ دیا جائے تو فاسد ہو جاتی ہے اور اس بات کی تلافی کی بھی کوئی شکل نہیں ہوتی۔ (شامی: ۱/۷۰)

احناف کے یہاں اس کے بعد واجب کا درجہ ہوتا ہے، واجب کا کرنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے، عملی اعتبار سے فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اس کے چھوڑنے سے بھی گناہ ہوتا ہے، لیکن اس کا ثبوت اس طرح کی صاف دلیل سے نہیں ہوتا جیسے فرض کا ثبوت ہوتا ہے، علمی انداز میں اس کو اس طرح کہتے ہیں کہ واجب وہ ہے جو ظنی دلیل سے ثابت ہو، یا تو اس کا ثبوت ظنی ہو یا دلالت ظنی ہو، اسی لیے اس کے منکر کو کافر نہیں قرار دیا جاتا، اور نماز یا حج کا کوئی واجب سہواً چھوٹ جائے تو اس کی تلافی سجدۂ سہو اور دم سے ہو جاتی ہے، عمداً چھوڑا جائے تو اعادہ لازم ہو جاتا ہے، یہ اصطلاح دوسرے ائمہ کے یہاں نہیں ہے، اسی لیے احناف جن چیزوں کو واجب قرار دیتے ہیں ان میں سے کچھ دوسرے ائمہ کے یہاں فرائض میں شامل ہوتی ہیں اور کچھ سنتوں میں۔ (شامی: ۱/۷۰-۳۳۶)

جہاں تک واجبات کی تعداد کا تعلق ہے تو مختلف کتابوں میں الگ الگ نظر آتی ہیں، لیکن حقیقت میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، تعداد مختلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی نے ایک واجب کو کئی حصے میں کر کے ان کی تعداد الگ بیان کی، کسی نے ملا کے بیان کیا، چنانچہ تنویر الابصار میں ۱۴ر، نور الایضاح میں ۱۸ر اور بدائع الصنائع میں چھ واجبات شمار کرائی گئی ہیں۔ (شامی: ۱/۳۳۷)

ہم ذیل میں اہم واجبات کو نقل کر رہے ہیں:

۱- تکبیر تحریمہ میں "اللہ اکبر" کہنا:

اوپر گزر چکا ہے کہ تکبیر تحریمہ نماز کے فرائض میں ہے، لیکن خاص "اللہ أکبر" سے نماز شروع کرنا واجب ہے، اس کے بجائے اللہ کی عظمت پر دلالت کرنے والا کوئی دوسرا لفظ مثلاً: "اللہ أعظم" کہہ دے تو نماز کی شرط ادا ہو جائے گی، لیکن واجب چھوٹ جائے گا۔ (شامی: ۱/۳۴۶)

اس لیے کہ حدیث شریف میں آپ نے نماز میں غلطی کرنے والے کو نماز دوہرانے کا حکم دیا اور نماز کا طریقہ تفصیل سے سمجھایا، اس میں یہ بات بھی فرمائی "پھر قبلہ کی طرف رخ کرو اور تکبیر کہو"۔ (بخاری، مسلم) حضرت عائشہ فرماتی ہیں: آنحضور ﷺ نماز کی شروعات تکبیر سے کیا کرتے تھے۔ (مسلم)

۲- سورۂ فاتحہ پڑھنا:

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور وتر، سنن اور نوافل کی تمام رکعتوں میں پوری سورۂ فاتحہ کا پڑھنا امام اور تنہا نماز پڑھنے والے پر واجب ہے، اگر ایک آیت بھی جان بوجھ کر چھوڑ دی تو نماز واجب الاعادہ ہوگی، اور اگر بھولے سے چھوٹ گئی تو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

(شامی: ۱/۳۳۸، ہندیہ: ۱/۷۱)

اس لیے کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز (مکمل) نہیں ہوتی۔ (بخاری و مسلم)

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی نماز پڑھی اور سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے مکمل نہیں ہے۔ (مسلم)

جہاں تک مقتدی کا تعلق ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ خاموش رہ کر امام کی قراءت سنے، قرآن مجید میں ارشاد ہے ﴿وَإِذَا قُرِءَ

الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف:۲۰۴) (اور جب بھی قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر اسے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو)

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے: ”جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو“۔ اور اس کو قراءت سے اس لیے روک دیا گیا کہ امام جب قراءت کرتا ہے تو یہ قراءت مقتدیوں کی طرف سے بھی ہوجاتی ہے، چنانچہ ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے: ”جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت بھی ہوجاتی ہے“۔

لہٰذا یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اوپر حدیث میں فرمایا گیا کہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص رہتی ہے تو مقتدی اگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز ناقص ہوجائے گی، اس لیے کہ آخر والی حدیث نے ثابت کردیا کہ امام کی قراءت اس کی طرف سے بھی ہوجاتی ہے اور اس کا شمار سورہ فاتحہ پڑھنے والوں میں کرلیا جاتا ہے، لہٰذا اس کی نماز ناقص نہیں ہوگی۔

۳- سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ ملانا:

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور وتر، سنن اور نوافل کی تمام رکعتوں میں امام اور منفرد کے لیے سورۂ کوثر جیسی چھوٹی سورہ یا تین چھوٹی آیات کا پڑھنا واجب ہے، قرآن مجید میں ایک ساتھ سب سے چھوٹی تین آیات سورۂ مدثر میں ہیں ﴿ثُمَّ نَظَرَ ☆ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ☆ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ ان میں کل ۳۰/ حروف ہیں، لہٰذا اگر کوئی ایک آیت ایسی پڑھی جس میں ۳۰/ یا اس سے زیادہ حروف ہیں تب بھی واجب ادا ہوجائے گا۔

(شامی:۱/۳۳۸، احسن الفتاوی:۳/۷۰)

ساتھ میں سورہ ملانے کا وجوب مسلم شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زیادہ قراءت نہیں کی تو اس کی نماز (مکمل) نہیں۔

اگر کوئی شخص بھولے سے فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورہ ملالے یا آیات ملالے تو اس کی نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا، نہ ہی سجدہ سہو لازم ہوگا، لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(شامی:۱/۳۳۸)

۴- قراءت فرض کی پہلی دو رکعتوں میں کرنا

آنحضرت ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ضم سورہ فرض کی پہلی دو رکعات میں کیا کرتے تھے، لہٰذا فرض کی پہلی دو رکعات ہی کو قراءت کے لیے خاص کرنا واجبات میں سے ہے، لہٰذا اگر کوئی پہلی رکعات میں قراءت نہ کرے تو خواہ وہ بعد کی رکعات میں قراءت کی قضاء ہی کیوں نہ کرلے سہواً ایسا کرنے پر سجدہ سہو لازم ہوجائے گا، اور عمداً کرنے پر نماز واجب الاعادہ ہوجائے گی۔ (ہندیہ:۱/۷۱، شامی:۱/۳۳۹)

۵- سورۂ فاتحہ کو پہلے پڑھنا:

فرض کی پہلی دو رکعتوں اور وتر اور سنن وغیرہ کی تمام رکعتوں میں یہ بھی واجب ہے کہ سورۂ فاتحہ کو پہلے پڑھے، سورہ یا آیات کو اس کے بعد پڑھے، اگر اس کے خلاف سہواً ہوگیا تو سجدہ سہو لازم ہوجائے گا، اور عمداً کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

(شامی:۱/۳۳۹، ہندیہ:۱/۷۱)

۶- سورۂ فاتحہ کی تکرار نہ کرنا:

فرض کی پہلی دو رکعتوں اور وتر اور سنن وغیرہ کی تمام رکعات میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ملانا واجب ہے، لہٰذا اگر سورۂ فاتحہ دوبار پڑھ دی تو سجدہ سہو واجب ہوجائے گا، اور اگر پوری سورۂ فاتحہ کی تکرار نہیں کی تو اگر تین بار ”سبحان ربی الاعلی“ کہنے کی مقدار میں سورۂ فاتحہ پڑھ دی تب بھی سجدہ سہو لازم ہوگا، اس سے کم میں نہیں ہوگا، اس کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ”سبحان ربی الاعلی“ میں حروف مقروءہ چودہ ہیں، اس کو تین پر ضرب دیں تو ۴۲/ حروف ہوتے ہیں، اور بیالیس حروف ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ کی ”ی“ پر پورے ہوتے ہیں، لہٰذا سورۂ فاتحہ کی تکرار ”یاء“ تک ہوگئی تو سجدہ سہو لازم ہوگا، اس سے کم تکرار کی تو سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔ (شامی:۱/۳۴۰، احسن الفتاوی:۴/۳۱)

لیکن یہ اس وقت ہے جب سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورہ ملانے سے پہلے سورۂ فاتحہ کی تکرار کی، اگر سورہ ملانے کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھے یا فرض کی آخری رکعات میں سورۂ فاتحہ کی تکرار کرے تو نماز میں کوئی فرق لازم نہیں آئے گا، نہ سجدہ سہو لازم ہوگا۔

(شامی:۱/۳۴۰)

۷- جہری نمازوں میں جہر کرنا:

امام کے لیے ان نمازوں میں جہر کرنا واجب ہے جن میں جہر کا حکم ہے اور یہ نمازیں یہ ہیں: فجر کی دونوں رکعات، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعات، عیدین اور جمعہ کی دونوں رکعات، رمضان المبارک میں وتر اور تراویح کی تمام رکعات۔ (شامی: ۳۴۶/۱)

جہر جتنے لوگ ہوں اسی اعتبار سے بقدر ضرورت کرنا چاہیے، مقتدی کم ہیں تو بہت زیادہ جہر کرنا مناسب نہیں ہے، اسی طرح لوگ زیادہ ہوں تب بھی طاقت کے بقدر ہی جہر کرنا چاہیے، اپنے کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ہندیہ: ۷۳/۱)

۸- سری نمازوں میں قراءت آہستہ کرنا:

جن نمازوں میں آہستہ پڑھنے کا حکم ہے ان میں امام اور منفرد دونوں کے لیے آہستہ پڑھنا واجب ہے، یہ نمازیں مندرجہ ذیل ہیں: ظہر اور عصر کی چاروں رکعات، مغرب کی تیسری رکعت، اور عشاء کی آخری دو رکعات، دن میں پڑھی جانے والی تمام نوافل اور سنتیں۔ (شامی: ۳۴۶/۱، ہندیہ: ۷۳/۱)

جہر اور سر کی مقدار:

جہر کی ادنی مقدار یہ ہے کہ دوسرے سن لیں، اور اعلی مقدار کی کوئی حد نہیں ہے، اور سر کی ادنی مقدار یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنادے، اور اعلی مقدار یہ ہے کہ حروف صحیح صحیح ادا کردے، لیکن علماء نے اصح اس کو قرار دیا ہے کہ جب تک اپنے آپ کو نہ سنائے قراءت معتبر نہ ہوگی، اس سے اندازہ کیا جائے کہ منھ بند کر کے قراءت کرنے سے نماز کیسے صحیح ہوگی؟؟ (شامی: ۳۹۵/۱)

بقیہ: ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

...... بے گناہوں کو جرم بے گناہی کی سزا دی جاتی تھی، سوال یہ ہے کہ کیا آج وطن عزیز میں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے، پھر بھی ہم غافل ہیں اور "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں۔

بے شک ہمت شکن حالات کے باوجود ہم وطن عزیز میں زندہ ہیں، چل پھر رہے ہیں، کاروبار کر رہے ہیں، شادی بیاہ کی شاندار تقریبات میں مگن ہیں، الیکشن میں ووٹ بھی دیتے ہیں، کبھی کبھی سینہ پھلا کر کچھ کہہ سن بھی لیتے ہیں، اور اس بات پر خوشیاں بھی منا لیتے ہیں کہ ماشاء اللہ ہماری تعداد بڑھتی جا رہی ہے لیکن ہمارا ذہن قرآن کے صاف اور صریح اعلان کی طرف کیوں نہیں منتقل ہوتا کہ اللہ کے حکم سے قلیل تعداد رکھنے والے کثیر تعداد پر غالب آجاتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ دنیا میں کوالٹی کی قدر ہے نہ کہ مقدار کی، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ سونا، ہیرا اور قیمتی چیزیں دنیا میں بہت کم مقدار میں پایا جاتا ہے، ماشاء اللہ مساجد کی تعمیر خوب ہو رہی ہے، نمازیوں کی تعداد بھی روز افزوں ہے، اور درس گاہیں بھی آباد ہیں، لیکن اسلاف کی خوبو باقی نہیں ہے، یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب انقلاب کے تیز دھارے بستیوں کا رخ کرتے ہیں تو ایک ایک تنکا بہا لے جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہلاکت خیز طوفان کا رخ موڑنے کے لیے ہم نے کیا تیاریاں کی ہیں۔

محکمہ موسمیات اگر طوفان کی پیش گوئی کردے تو بستی کا ایک ایک فرد فکرمند اور چوکنا ہو جاتا ہے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے لگتا ہے مگر ہماری بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ طوفان بس آیا ہی چاہتا ہے مگر بدستور خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں، سدھار کی کوئی فکر نہیں، جہاں کل تھے وہیں آج بھی ہیں، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے روگردانی ہو رہی ہے، فرائض سے غفلت عام ہے، ہماری گھریلو زندگی اجیرن نظر آتی ہے، خاندانی جھگڑے، مقدمہ بازی، فضول خرچی اور رسوم و بدعات میں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں، سود کی لعنت الگ ہے، پڑوسیوں کے ساتھ تعلق اچھے نہیں ہیں، غرض کہ "اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے"۔

مریض کو اگر اپنے خطرناک مرض کا احساس ہو جائے اور وہ جم کر علاج و پرہیز کرے تو اللہ کے حکم سے افاقہ ہو جاتا ہے لیکن مرض کو نہ سمجھے اور علاج اور پرہیز سے جی چرائے تو ظاہر ہے کہ وہ کبھی شفایاب نہیں ہوسکتا، علماء دردمندی اور خلوص کے ساتھ امراض کی نشاندہی کرتے ہیں، نسخہ بھی تجویز کرتے ہیں مگر ہمارا حال یہ ہے کہ تقریریں سننے کے بعد دامن وہیں جلسہ گاہ میں جھاڑ کر چلے آتے ہیں۔ ؏ خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے

ع خامہ اینجا رسید و سر بشکست

وسیلۂ نجات

صلی اللہ علیہ وسلم

عبدالسبحان ناخدا ندوی

قرآن کریم نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے تمام گوشوں کو اجاگر کیا ہے، تاکہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنے والا ہر انسان کتاب الٰہی کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس ہستی کو بھی اچھی طرح جان جائے جس پر اللہ کی یہ آخری کتاب اتری، قرآن کریم نے سیرت کے پہلوؤں کو دو طرح سے نمایاں کیا ہے، ایک یہ کہ مخالفین نے آپ ﷺ پر جس طرح کے الزامات لگائے، ایک ایک کرکے ان الزامات کی حقیقت کھولی، حاسدین کا یہ ٹولہ اسی دن سے اپنا کام شروع کر چکا تھا جس دن سے نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک کام کا آغاز فرمایا، اس طرح کے مفاد پرست حاسدین ہر دور میں پائے جاتے ہیں جن کی پوری زندگی اپنے مفادات کی غلامی میں گزرتی ہے، یہ کسی کا اسی حد تک ساتھ دیتے ہیں جہاں ان کے مفادات صحیح سلامت رہیں، جہاں کسی کے کام کی زد ان کے اغراض پر پڑی فوراً وہیں سے یہ مخالفت شروع کرتے ہیں، اندھی بہری مخالفت، اغراض کے ان پجاریوں کو کبھی حق ناحق سے کوئی واسطہ نہ رہا، ان کے نزدیک جس سے ان کی غرض پوری ہو وہ حق ہے، اور جو ان کی غرض پوری نہ کرسکے یا اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے وہ سب سے بڑھ کر ناحق ہے، توحید کی صاف ستھری دعوت کو اس طبقہ نے اپنی چودھراہٹ کے لیے خطرہ محسوس کیا تو آپ ﷺ کی مقدس شخصیت کو داغدار کرنے کے لیے طرح طرح کے الزامات عائد کیے، یہ طبقہ اپنے آپ کو نبوت کا مستحق سمجھتا تھا، اس کا ایک اعتراض یہ تھا: ﴿ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا ﴾ (القمر:۲۵) (کیا ہمارے درمیان صرف محمد ہی رہ گئے تھے کہ ان پر قرآن نازل ہو)، کبھی یہ کہتا: ﴿ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ﴾ (الفرقان:۲۱) (آخر ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترتے ہیں یا یہ کیوں نہیں ہوتا کہ ہم اپنے رب کو دیکھ لیں)، اس طبقہ کے ہر فرد کی یہی خواہش تھی کہ اس پر بھی کتاب اترے، ﴿ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفاً مُّنَشَّرَةً ﴾ (المدثر:۵۲) (بلکہ اس طبقہ کا ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں)، کبھی اپنی عظمت کا جھوٹا ڈھونگ رچاتے ہوئے یوں کہتا ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴾ (الزخرف:۳۱) (آخر یہ قرآن دو بستیوں کی کسی بڑی شخصیت پر کیوں نہ اترا)، اللہ کی طرف سے ایک جواب میں ان تمام اعتراضات کی بساط لپیٹ دی گئی، وہ یہ کہ ﴿ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ﴾ (الانعام:۱۲۴) یعنی اللہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھنا ہے، بہرحال یہ طبقہ اس طرف سے مایوس ہوا تو آپ ﷺ کی ذات کو ہدف ملامت بنانا شروع کیا، مشرکین کے چند الزامات یہ تھے: آپ شاعر ہیں اور اپنی شاعری سے لوگوں کو مسحور کیے جارہے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا: ﴿ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ ﴾ (یٰس:۶۹) (ہم نے آپ کو شاعری نہیں سکھائی، اور شاعری آپ کے شایان شان نہیں ہے)، ایک اور طعنہ کاہن کا دیا گیا، اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ کہانت شیطانی ساحروں کے بغیر نہیں چل سکتی، اور جو کلام محمد ﷺ پیش کررہے ہیں شیاطین کے لیے ممکن نہیں کہ ایسا کلام لائیں، شیاطین کی پستیاں اس ارفع واعلیٰ کلام کی بلندی تک کیسے پہنچ سکتی ہیں، ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ۔ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴾ (الشعراء:۲۱۰-۲۱۱) (اس کلام کو شیاطین لے کر نہیں اترے نہ ان کی یہ مجال ہے، نہ وہ اس کی سکت رکھتے ہیں)، کچھ اور احمقوں نے مفتری و کاذب کہہ کر آپ کی شان گھٹانے کی کوشش کی، اس کے دو مختلف جواب دیے گئے، ایک یہ کہ یہ قرآن گڑھا نہیں جاسکتا، اگر تم گڑھ کر لاسکتے ہو تو ذرا لاؤ، ارشاد ہوا ﴿ مَا كَانَ حَدِيثاً يُفْتَرَىٰ ﴾ (یوسف:۱۱۱) (یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اسے گڑھ کر پیش کیا جائے) اور یہ بھی کہا گیا کہ محمد ﷺ کی پوری زندگی تمہارے سامنے کھلی کتاب کے مانند ہے، کیا کبھی آپ سے کوئی جھوٹ یا خلاف واقعہ بات سنی ہے جو آج الزام پوری بے ہودگی سے دھرے جارہے ہو ﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ (یونس:۱۶) (میں تو تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم کو عقل نہیں آتی)، کچھ لال بھجکڑوں نے آپ کو ساحر یعنی جادوگر کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کی، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ پرانا راگ ہے جو نئے انداز سے الاپا جارہا ہے، ہر رسول کو یہی کہا گیا: ﴿ كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴾ (الذریات:۵۲) (اسی طرح آپ سے پہلے والوں کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے اسے ساحر و مجنون بتایا) دوسری ایک اور جگہ لطیف انداز سے یوں تردید کی گئی کہ یہی لوگ

آپ کو مسحور بھی کہتے ہیں، گویا الزامات دھرنے کے جوش میں یہ بھی بھول گئے کہ ایک ہی شخصیت دو متضاد چیزوں کا مجموعہ کیسے ہوسکتی ہے، ﴿وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلاً مَّسْحُوراً ۔انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلاً﴾ (الفرقان:۸-۹) (ظالم کہنے لگے کہ تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو ہوا ہے، اے محمد! ذرا دیکھو تمہارے لیے کیسے کیسے الزام تراش رہے ہیں، لیکن سب راستہ گم کر بیٹھے لہٰذا اب یہ کوئی راستہ نہیں پا رہے ہیں)، یعنی آپ کو گرانے کی ہر تدبیر کر رہے ہیں لیکن راستہ ہے کہ مل کر نہیں دے رہا، کچھ زیادہ ہی بدمستوں نے آپ کو مجنون تک کہا لیکن اللہ کی طرف سے یہ کہا گیا کہ آؤ ذرا غور کرو، کیا کہیں جنون کا شائبہ بھی دکھائی دے رہا ہے، ﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ﴾ (کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی میں جنون کا شائبہ تک نہیں) بلکہ الٹے اللہ نے ان بے وقوفوں کو أفلا تعقلون کے ذریعہ خطاب کر کے ان کو عقل وخرد سے عاری بتایا، اور تھے بھی وہ ویسے ہی، اللہ نے ان کو اپنے پیغام کا اولین علمبردار بننے کی دعوت دی انہوں نے اپنے لیے جہنم کے گڑھے ہی پسند کیے، اس سے بڑھ کر جنون کیا ہوسکتا ہے، ﴿لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَاباً فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

دوسری طرف قرآن کریم نے آپ کی بے مثال شخصیت کے وہ دلکش پہلو کھول کھول کر بیان کیے ہیں جن کی بنا پر آپ کل انسانیت کے محسن اعظم اور رب ذوالجلال کے سب سے محبوب بندے قرار پائے، آپ کی جس صفت کو قرآن کریم نے سب سے نمایاں طور پر پیش کیا ہے وہ صفت رحمت ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بعثت سراسر رحمت الٰہی تھی، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے سارے عالم پر نگاہ فرمائی، عرب وعجم سب کو دیکھا ہر ایک لائق نفرت ہی نکلا، کوئی ایسا نہ تھا جو اللہ کو پسند آتا، اس وقت اللہ نے عالم پر اپنی رحمت کا فیصلہ فرمایا جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود مسعود کو مشرکین مکہ جیسے کٹر دشمنوں تک کے لیے باعث امن وامان قرار دیا، ارشاد ہوا: ﴿وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ﴾ (الانفال:۳۳) (اللہ ایسا نہیں کرے گا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے ان مشرکین کو عذاب دے)، آپ کی نرمی ومحبت کو اللہ نے اپنی رحمت قرار دیا، ذرا یہ انداز دیکھیے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّهِ لِنتَ لَهُمْ﴾ (آل عمران:۱۵۹) (یہ اللہ کی رحمت تھی کہ آپ ان کے لیے نرم ہیں)، مؤمنین کے حق میں آپ کو اللہ نے سراپا عفو وکرم اور مجسم رحمت ورأفت فرمایا، اور ان کی ایک ایک تکلیف پر شدید درجہ بے چین ہونے والا قرار دیا، ارشاد ہوا: ﴿لَقَدْ جَاءكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (توبہ:۱۲۸) (تمہارے پاس خود تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے، جسے تمہاری ہر تکلیف نہایت شاق گزرتی ہے، تمہاری عافیت کا حد درجہ خواہشمند اور تمام مؤمنین کے حق میں مجسم رحمت ورأفت ہے)، کفار کے تعلق سے اللہ نے آپ کو ہدایت کا سب سے زیادہ حریص وخواہشمند قرار دیا، گویا آپ کا بس چلے تو زبردستی ایک ایک کافر کو مسلمان بنا دیں، ارشاد ہوا: ﴿أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (یونس:۹۹) (تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کردیں گے کہ سب کے سب مسلمان ہو ہی جائیں)، یہ بھی کہا گیا: ﴿إِن تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ﴾ (النحل:۳۷) (اگر آپ کو ان کی ہدایت کی بے حد خواہش ہو تو ہو، اللہ تو ان کو ہدایت نہیں دے گا جنہیں وہ گمراہ کرتا ہے)، لوگوں کے پیغام ہدایت قبول نہ کرنے پر آپ کی شدید بے چینی یوں عیاں کی گئی: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ (فاطر:۸) (ان پر حسرت وافسوس سے آہیں بھرتے ہوئے آپ کی جان ہی نہ چلی جائے)، کبھی آپ کے درد مند دل کو یوں ظاہر کیا گیا: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (شعراء:۳) (آپ تو لگتا ہے ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنی جان ہی گھلا دیں گے)، آستین کے سانپ منافقین تک کے لیے آپ کی ہمدردی اور انسانیت نوازی کو ان الفاظ میں قرآن کریم نے بیان کیا ہے: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لاَ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللّهُ لَهُمْ﴾ (توبہ:۸۰) (آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں، آپ اگر ستر دفعہ بھی ان کے لیے مغفرت مانگیں گے تو اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا)، گویا یہ بات طے شدہ تھی کہ اس طرح کی آیات نہ ہوتی تو آپ ان کے لیے بھی شب و روز مغفرت چاہتے تاکہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں، کل انسانیت کے لیے آپ کی صفت رحمت کو یوں اجاگر کیا گیا: ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (اعراف:۱۵۷) (وہ نبی تو انسانوں کو اس بوجھ اور بیڑیوں سے آزاد کرتا ہے جو ان پر ڈال دی گئی ہیں)، گویا آپ دنیا میں اس لیے آئے تھے کہ کل انسانیت کو ہر اس بوجھ

سے آزاد کریں جس بوجھ تلے وہ کراہ رہی تھی، ذاتی طور پر تکلیف ہو رہی ہو تو دوسروں کی رعایت میں اس کے اظہار سے بھی آپ شرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے یہاں دعوت تھی سب لوگوں نے کھانا کھا کر یہیں محفل جما لی، آپ بار بار ان کو دیکھتے لیکن شدید تکلیف کے باوجود اشارۃً بھی ان سے یہ نہیں فرمایا کہ اب آپ تشریف لے جائیں، یہاں تک کہ خود اللہ رب العزت نے آیات اتاریں کہ مؤمنین آئندہ بہت محتاط رہیں، نادانستگی میں بھی کوئی ایسی بات نہ ہو جو آپ کو تکلیف پہنچائے: ﴿إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (احزاب:۵۳) (یعنی تمہارا یہ طرزِ عمل نبی کو اذیت پہنچاتا ہے اور وہ تم سے بتانے میں شرماتا ہے، اللہ تعالیٰ حق بات کہنے میں کوئی لحاظ نہیں کرتا)۔ [ویسے نبی بھی حق بات بتانے میں پس وپیش نہیں کرتے لیکن یہاں معاملہ حق بتا کر خود اپنے آپ کو فائدہ پہنچانا تھا اس لیے آپ ﷺ نے تردد فرمایا۔

پھر اللہ رب العزت نے آپ کی اس صفت رحمت کو سارے جہانوں کے لیے عام فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷) (اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)، یہ وہ عظیم الشان اعزاز تھا جو اللہ رب العزت کی کل مخلوق میں تنہا آپ ہی کو حاصل ہوا، تاریخ گواہ ہے کہ رحمت کی یہ گھٹا ہر ایک پر چھائی کوئی اس سے محروم نہ رہا، آپ کی مقدس ذات سے دنیا کو وحدت انسانی کا درس ملا اور عملاً آپ ﷺ نے وہ مثالی معاشرہ قائم فرمایا جس میں ہر طرح کے فرق کو مٹا دیا گیا، اور اعلیٰ انسانی اخلاق و کردار کی بنا پر اور انسانوں کو پیدا کرنے والے خالق و مالک کی بندگی و غلامی کی بنا پر اصل معیار انسانیت قائم کیا گیا، اور یہ ہمہ گیر اعلان ہوا: "أيها الناس إن ربكم واحد و إن اباكم واحد كلكم من آدم و آدم من تراب، إن اكرمكم عند الله أتقاكم" (اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارے باپ بھی ایک ہی ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے)، حق یہ ہے کہ فی الوقت دنیا میں جہاں کہیں انسانیت پائی جا رہی ہے اور انسانی حقوق کی آواز اٹھ رہی ہے، وہ اسی عظیم انسان کی صدائے بازگشت ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے لگائی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق سب سے عظیم اخلاق قرار دیے، جو چیز عظیم ہوتی ہے وہی کامل ہوتی ہے، ارشاد ہوا: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم:۴) (اے محمد ﷺ آپ اخلاق کے عظیم ترین مرتبہ پر فائز ہیں)، آپ کا نمونہ سب سے اچھا نمونہ قرار دیا گیا، جو چیز جس قدر اچھی ہوتی ہے وہ اسی قدر مکمل بھی ہوتی ہے، قرآن کریم کا اعلان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (احزاب:۲۱) (بخدا! تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے)، قرآن کریم کا یہ خاص انداز ہے کہ وہ جس کام کو بھرپور اور مکمل طریقہ سے کرنے کا حکم دینا چاہتا ہے، اس کے لیے احسان کا لفظ استعمال کرتا ہے، اور درجۂ کمال تک پہنچنے والوں کو محسنین کا لقب عطا کرتا ہے، انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کون "کامل" ہو سکتا ہے، اللہ رب العزت نے سورۂ صافات میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ، حضرت الیاسؑ پر اپنے انعامات کا تذکرہ کیا ہے، اور ہر دفعہ یہ بات دہرائی ہے کہ: ﴿إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (ہم محسنین کو ایسا ہی بدلہ عطا کرتے ہیں)۔ اللہ کے نام کیسے جامع اور کس قدر کامل ہوتے ہیں کہ اس کے آگے پھر کسی درجۂ کمال کا تصور بھی شرک ہے، اللہ نے اپنے پاک ناموں کے لیے بھی ﴿الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ کا لفظ ارشاد فرمایا، یعنی اللہ کے نہایت اچھے اچھے نام ہیں اللہ کو ان ہی ناموں سے پکارو، گویا قرآن کریم کے نزدیک حسن اور کمال لازم ملزوم ہیں، رسول اکرم ﷺ کی ذات کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر اللہ رب العزت نے یہ دائمی اعلان فرمایا کہ یہی آخری درجۂ کمال ہے، جو اس نمونہ کو جس قدر پیش نظر رکھے گا وہ اسی کے بقدر اونچا اٹھایا جائے گا، پھر آخر میں اس کا بھی اعلان فرمایا کہ رسول کی عطا کی ہوئی سوغات چاہے وہ اخلاق ہوں، عبادات ہوں، طرز زندگی ہو، ذرائع معاش ہوں یا زندگی کا کوئی گوشہ ہو، ان کو جوں کا توں لے لو، اور جس سے وہ روکیں اس سے ہمیشہ کے لیے باز آجاؤ، گویا یہ کل انسانیت کی نجات کا آخری پیغام ہے جو اللہ کی کتاب نے دیا، یہ ابدی اعلان ان الفاظ سے کیا گیا: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (رسول تمہیں جو بھی دیں تم اسے لے لو، اور جس چیز سے بھی وہ منع کریں اس سے رک جاؤ)، اس اعلان پر مہر ان مبارک الفاظ سے لگائی گئی: ﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی درحقیقت اللہ کی اطاعت کرتا ہے)، یعنی جو اس أسوة حسنة سے اپنی راہ الگ کر لیتا ہے وہ کبھی اللہ کی اطاعت نہیں کر سکتا۔

جنت کا مستحق

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى. (صحيح البخاري: ٧٢٨٠)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا، سوائے اس کے جس نے انکار کیا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون شخص ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

فائدہ:- ''اطاعت رسول'' دنیا و آخرت میں کامیابی کا راستہ، دخول جنت کا سبب، شرک و کفر سے دور کرنے کا ذریعہ ہے، قرآن کریم میں کئی جگہوں پر اس کی وضاحت کی گئی ہے، ارشاد الٰہی ہے ﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ (النساء: ١٣) (اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرے گا اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے) قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت فرمادی گئی ہے کہ رضائے الٰہی کا حصول، ایمان کا دل کی گہرائیوں میں موجزن ہونا، دل کا غفلت اور سنگ دلی سے پاک ہونا اطاعت رسول ہی پر موقوف ہے، ارشاد خداوندی ہے ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران: ٣٢) (آپ کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی بات مانو پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ انکار کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کے بغیر محض اطاعت الٰہی سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اطاعت رسول کے بغیر اطاعت الٰہی ناممکن ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حکم سے کسی کا روگردانی کرنا اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کا یہ عمل اس کو کفر کے قریب تک پہنچا دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں بھی اطاعت نہ کرنے والے شخص کو ''انکاری'' اور جنت میں داخلہ کی سعادت سے محروم قرار دیا گیا ہے۔

اطاعت رسول کے لیے محبت رسول کا ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ انسان اپنے محبوب کی ہر ادا کو اپنانے کی کوشش کرے، کیونکہ بغیر محبت کے صرف رسمی طور پر کسی کی اطاعت کرنا مشکل عمل ہے، لیکن محبت رسول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان آپ ﷺ کی محبت میں بعض اعمال کو اطاعت سمجھ کر اس حد تک آگے بڑھ جائے کہ وہی عمل اس کے حبط اعمال کا سبب اور ایمان کے خاتمہ کا ذریعہ بن جائے، آج دنیا بھر میں جو لوگ بھی ظاہری طور پر محبت رسول ﷺ کا دم بھرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ منزل مقصود سے بہت دور جا پہنچے ہیں، حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا یہ مفہوم نہیں کہ آپ کی محبت میں انسان وہ کام کرے جن کو حضور اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں کرنا تو بہت دور کی بات' پسند بھی نہ فرمایا ہو، اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین سے اس کا کوئی ثبوت ہو، جن سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کرنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔

حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر موڑ پر، خواہش نفس، دنیا کے تمام رشتوں، فلسفوں، تہذیبوں کو پرے رکھ کر صرف تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے میں اپنی سعادت سمجھے، اور ایسے کاموں سے بھی باز رہے جو بظاہر دلکش اور حضور اکرم ﷺ سے محبت کی نشانی معلوم ہوتے ہیں، مگر بباطن ایمان کے خاتمہ کا بھی سبب بن جاتے ہیں، چونکہ اطاعت ایمان کا حصہ ہے، اس لیے تکمیل ایمان کے لیے مکمل اطاعت کا ہونا لازمی ہے، اور مکمل اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے ہر عمل میں سیرت نبوی ﷺ کو مقدم رکھے، لیکن واضح رہے کہ اگر کوئی شخص محض سماج میں عزت و سربلندی کے لیے ایسا کام کرتا ہے جو مذاق نبوت سے ہرگز میل نہ کھاتا ہو تو اس کے لیے بڑے ڈرنے کا مقام ہے کہ کہیں اس کا یہ عمل اطاعت رسول کے دائرہ سے باہر ہونے کے سبب، اس کو ایمان سے خارج اور جنت میں داخلہ سے محروم نہ کردے۔ ''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَحُبَّهُ'' آمین.

اپنی زندگی کا جائزہ لیجیے

خلیل احمد حسنی ندوی

یہ دور ہے مادیت پرستی کا، نفس کی غلامی کا، جس میں شوق ہے تو کھانے پینے کا، پہننے اوراوڑھنے کا، لگژری گاڑیوں میں گھومنے کا، مہنگے سے مہنگے موبائل خریدنے کا، مزہ ہے پرتعیش زندگی جینے میں، لطف ہے لذت پسندی میں، مرض ہے خود پسندی کا، اور دوسروں کی تحقیر کا، ہنر ہے جھوٹ بولنا اور خیانت کرنا، کمال ہے جھوٹی گواہی دینا، دل ہے منافقانہ، زبان ہے چاپلوسانہ، نگاہیں ہیں حریصانہ!

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو خیانت کرنے والے ہوں گے قابل بھروسہ نہیں ہوں گے، گواہی دینے والے ہوں گے جب کہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے، اور موٹاپا ان میں بہت ہوگا۔

یہی وہ دور ہے جس کی طرف زبان نبوت نے چودہ سو سال قبل اشارہ کردیا تھا، آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور دل بھیڑیئے جیسے ہوں گے۔

جذبات کا مارا ہوا اور نفس کا غلام یہ انسان اس دور میں اگر کسی چیز سے غافل ہے تو وہ ہے اپنا محاسبہ، اگر کسی چیز سے مستغنی ہے تو وہ ہے اپنا جائزہ، اگر کسی چیز سے کوتاہ ہے تو وہ ہیں نیک اعمال۔

اگر اس کے دل میں کسی چیز کی محبت ہے تو وہ ہے دنیا، اگر کسی سے بے رغبتی ہے تو وہ ہے عقبی۔ پڑھتا ہے لیکن گھٹیا ناولز اور فحش لٹریچرز، سیرت کی کتابوں سے کوئی انسیت نہیں، صحابہ کے واقعات سے کوئی واقفیت نہیں، ان کے ایثار وجذبہ قربانی سے باخبر ہونے کا کوئی شوق نہیں۔ دیکھتا تو ہے لیکن بے حیائی کے چینل، اسلامی چینل سے کوئی لگاؤ نہیں۔ تبصروں سے وہ تھکتا نہیں، غیبت سے وہ اکتاتا نہیں، الزام تراشی سے وہ باز آتا نہیں۔

خود اس کی ذات کے علاوہ باقی سب کمتر، خطا کار، گناہ گار، گھر میں افتراق وانتشار کی ہوا نہیں آندھی چلانے والا، دلوں کو توڑنے والا لیکن باہر اتحاد کا نعرہ لگانے والا، غرض اس کا ہر عمل نفاق پر مبنی ہے۔

ان تمام کمزوریوں اور خامیوں کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے عیوب پر نظر نہیں ڈالتا، حضرت عمر کا قول ہے، حاسبوا انفسکم قبل أن تحاسبوا ، قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے تم اپنا خود حساب لے لو، ایک عربی مثل ہے، اهل البيت ادرى بما فيه گھر والا جانتا ہے کہ اس کے گھر میں کیا ہے۔

تنہا محاسبہ ہی اصلاح کے لیے کافی ہے، آدمی بدنامی سے ڈرتا ہے، رسوائی سے گھبراتا ہے، اگر اپنا محاسبہ کرے گا تو ہر اس کام سے بچے گا جو ماضی میں اس کی رسوائی کی وجہ بن چکا ہے، ہر اس گناہ سے نفرت کرے گا جو ماضی میں اس کی بدنامی کا ذریعہ بن چکا ہے، لیکن یہ بھی اس وقت جب وہ حقیقت میں اپنی اصلاح چاہے گا۔

موجودہ دور کا المیہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کے بجائے دوسرے کی اصلاح چاہتا ہے، علماء معاشرہ کی اصلاح چاہتے ہیں، اساتذہ طالب علم کی اصلاح چاہتے ہیں، سیاستداں عوام کی اصلاح چاہتے ہیں، لیکن اگر اس کے برعکس ہوجائے تو ماحول میں تلخی پیدا ہوتی ہے، ہمیں دیکھنا یہ ہے ایک سچا مسلمان کیا چاہتا ہے، ایک سچا مسلمان سب سے پہلے اپنی اور اپنے خاندان والوں کی اصلاح چاہتا ہے، اللہ تعالی نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو جو پہلا حکم دیا، وہ ہے، وأنذر عشيرتك الأقربين ، اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تمام خاندان عبدالمطلب کو مدعو کیا، حمزہ، ابوطالب، عباس سب شریک تھے آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد کھڑے ہوکر فرمایا، میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین ودنیا کی کفیل ہے، اس بار گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا، تمام مجلس میں سناٹا تھا، دفعۃ حضرت علی نے اٹھ کر کہا، کو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا، سیرت سے صرف واقف ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو برتنا بھی ہے، اپنی زندگی کو آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے رنگ سے رنگنا ہے، اللہ کا ارشاد ہے ، قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم (آپ ان سے کہہ دیجیے) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری مغفرت کردے گا۔

بین المذاہب

آفاقیت ومقامیت کی کش مکش

محمد نفیس خاں ندوی

مذہب انسان کی بنیادی ضرورت اوراس کی سب سے بڑی قوت ہے، لیکن اگر مذہب کواس کے حقیقی تناظر میں نہ دیکھا جائے تو مذہب انسان کی سب سے بڑی کمزوری بھی ہے اورانسانیت کی تباہی کا سامان بھی، اور یہ سنگین وپیچیدہ صورتحال اس وقت شدت اختیار کرجاتی ہے جب حقیقی مذہب کے نام پر اوہام وخرافات اور انسانی ذہنوں کے تیار کردہ مجموعۂ عقائد کی پیروی کی جاتی ہے یا کسی وقتی یا مقامی مذہب کودائمی اورآفاقی سمجھ کراس کی اشاعت اوراس کے نفاذ پر طاقت ووسائل صرف کیے جاتے ہیں۔

مذاہب عالم کی تاریخ کا یہ ایک بنیادی پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر مخصوص علاقہ یا مخصوص زمانہ یا مخصوص قوم کے لیے انبیاء کومبعوث کیا، لیکن دنیا کی کئی قوموں اور ملتوں نے اپنے مذہب کی اس مقامیت اوراس کی مخصوص زمانیت کوتسلیم کرنے سے انکار کردیا، اوراپنی ساری صلاحتیں اس وقتی اور عارضی مذہب کوآفاقی اور دائمی مذہب ثابت کرنے میں صرف کردیں، جس کا منطقی اور لازمی نتیجہ بین المذاہب ٹکراؤ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آج عالمی سطح پر مذہب کے نام پر جوکشت وخون کا بازار گرم ہے اس کی بنیادی وجہ یہی طرز فکر اور محدود ومقامی مذہب کی آفاقیت ودائمیت پر یہی اصرار ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو موجودہ آسمانی وعالمی مذاہب میں یہودیت کی تاریخ خاصی پرانی بھی ہے اورانقلابات سے پُر بھی، تاہم اس کا دورانیہ اپنی وسعت وطوالت کے باوجود محدود تھا چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ساتھ ہی وہ مذہب بھی منسوخ ہوگیا، لیکن یہودیوں نے اسے تسلیم کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی اختیار کی اور اپنے مذہب کوآفاقی ودائمی ثابت کرنے کے لیے ہرطرح کے ہتھکنڈے اختیار کیے، سازشیں رچیں، خون کے دھارے بہائے اور اپنے مذہبی غلبہ اور تسلط کو یقینی بنانے کے لیے لاشوں کے ڈھیر بھی لگائے حتی کہ اپنی دانست میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوسولی تک پہنچا دیا، جس کے بعد یہودیت اور عیسائیت اپنی فوقیت منوانے کے لیے ایک دوسرے سے ٹکراتی رہی اورانسانی جانیں ضائع ہوتی رہیں۔

عیسائیت کی بھی حیثیت ایک مقامی وزمانی مذہب کی تھی لیکن اس کے علم بردار آج بھی عیسائیت کوآفاقی مذہب ہی تصور کرتے ہیں، اور عالمی سطح پراس تاریخی مذہب کولوگوں کے سروں پر تھوپنے کے لیے کوشاں ہے اوراس راستہ میں وہ بھرپور وسائل کے ساتھ عسکری قوت کے استعمال سے بھی گریزاں نہیں ہے، جس کا لازمی نتیجہ سخت قسم کا تصادم اور خطرناک تباہی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عیسائیت بحیثیت مجموعی یورپ کا ''نسلی تجربہ'' بن کر رہی گئی، کلیسا کوتقدس کا درجہ حاصل ہوا اوران کے فادرز کو گناہوں کے معاف کرنے یا سزا دینے کا اختیار تک حاصل ہوا، اس طرح عیسائیت کے نام پر پاپائیت نے پوری قوم کواپنا غلام بنالیا، جس کے نتیجہ میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور عیسائیت کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی، اور ہر حصہ ایک دوسرے سے متصادم ہوتا رہا!

عیسائیت کی اصلاح کے لیے مختلف فکری وخونی تحریکات وجود میں آئیں لیکن ساری کوششوں اور ہلاکتوں کے باوجود عیسائیت آج بھی سابقہ نسلی امتیازات پر ہی قائم ہے، اور آج ان کے مرکزی مقام ویٹی کن سٹی کا سب بڑا پادری وہی یورپی شخص ہوسکتا ہے جو سفید فام ہو۔ نسلی امتیازات پر قائم یہ مذہب کبھی بھی زمانہ کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ جب یورپ میں اسلام کی کرنیں سائنس کی شکل میں داخل ہوئیں تو عیسائیت نے ان سائنسی نظریات کوخلاف مذہب قرار دیا اور سائنسدانوں پر ظلم کی انتہا کردی انھیں زندہ جلایا گیا اوراپنے نظریات کوواپس لینے پر مجبور کیا گیا، لیکن سائنس کی قوت بڑھتی رہی اور پھر ایک وقت ایسا آیا جب عیسائیت نے جدیدیت کے سامنے پسپائی اختیار کی اور مختلف عقائد سے سمجھوتے کی راہیں تلاش کیں، جس کے بعد سے عیسائیت پوری مغربی دنیا میں انسان کا ذاتی معاملہ بن گئی اور اجتماعی کاموں اور حکومت کے ایوانوں سے اس کا عمل دخل ختم ہوگیا، اس طرح عیسائیت بدلتے ہوئے حالات میں خودکوازسرنو دریافت کرنے میں پوری طرح ناکام رہی، جس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ عیسائیت کا ایک محدود وقت اور ایک خاص عہد تھا۔

ملک ہندستان میں ویدک سناتن دھرم کے پیروکاروں نے بھی شدت کے ساتھ یہی نظریہ اختیار کیا، اور ایک محدود وغیر آفاقی مذہب کو ملکی وقومی مذہب بنانے کے لیے سخت راہیں اختیار کیں، بلکہ کہا جائے کہ ایک بے روح مذہب کو زندہ اور حساس لوگوں پر تھوپنے کی کوششیں کیں، اس کے لیے مختلف تحریکات وجود میں آئیں، سنگین اسکیمیں وضع کی گئیں، اور مختلف قوانین کے ذریعہ لوگوں کو ہراساں بھی کیا گیا، جس کے نتیجہ میں مذہب کے نام پر زبردست تصادم پیدا ہوا اور صلاحیتوں سے بھرا ہوا یہ ملک ترقی کی دوڑ میں پچھڑتا چلا گیا۔

سناتن دھرم ہر اعتبار سے ایک مقامی اور محدود زمانی مذہب تھا، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب اس دھرم کا دورانیہ مکمل ہوا تو یہودیوں کی ایک جماعت آریہ نے اس پر اپنا قبضہ کرلیا، اور اپنے مفاد کی خاطر اس کے ماننے والوں میں ذات پات کی عصبیت کو فروغ دیا جس کے نتیجہ میں پورا مذہب مختلف چار خانوں (۱- برہمن؛ مذہبی پیشوا، ۲- چھتری؛ لڑاکو طبقہ، ۳- ویش؛ زراعت وتجارت پیشہ، ۴- شودر؛ خدمت گذار) میں تقسیم ہوگیا، اور ذات پات کا یہ نظام ایک خاندانی ونسلی نظام میں تبدیل ہوگیا جس کے بعد نسلی برہمنوں کے ہاتھوں نسلی شودر یعنی دلتوں کی زندگی اجیرن ہوتی رہی، اور اسی نسلی امتیاز نے سناتن دھرم کی ضرورت وافادیت کو بالکل ختم کردیا، اور اس کے پیروکار اپنی نسل کی حفاظت اور اپنے وجود کو منوانے میں ایسے الجھے کہ ان کی قوت مدافعت ہی شل ہوگئی پھر جب یہاں عرب آئے، مغل آئے، انگریز آئے تو یہاں کا سناتن دھرم ان میں کسی کی مزاحمت نہ کرسکا۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ دنیا کے قدیم مذاہب میں شامل ہونے کے باوجود آج اس کا نہ کوئی سیاسی مرکز ہے اور نہ تہذیبی گہوارہ! بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس مذہب کی تعلیمات بھی غیر مرتب وغیر مدون ہیں حتی کہ اس مذہب میں داخل ہونے کی شرطیں اور اس کا طریقۂ کار نیز نئے افراد کی طبقاتی حد بندی بھی موجود نہیں ہے، اس کے باوجود اس مذہب کے ٹھیکیدار اسے ملکی اور پھر عالمی سطح پر نافذ کرنے کے آرزومند ہیں۔

تین عالمی مذاہب کے علاوہ چوتھا عالمی مذہب اسلام ہے، اسلام نے جو نظام زندگی اور دستور العمل پیش کیا اس سے اس کی عالمگیریت اور لامکانیت میں کوئی شبہ نہیں رہتا، دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف ادوار میں یہ اپنی غیر محدودیت اور آفاقیت ثابت کرتا رہا، اور مذاہب عالم کی تاریخ میں اکیلا یہی مذہب ہے جس نے دنیا کے سارے مذاہب اور سارے نظام زندگی کے باطل ہونے کا دعویٰ کیا اور عملی طور پر ان کے نقائص اور اپنی افادیت کو ثابت بھی کیا۔

اسلام کی آفاقیت کی یہ دلیل ہے کہ اس کا طلوع تو عرب کے ریگزاروں سے ہوا لیکن اس کی کرنوں نے دنیا کے سبھی خطوں کو روشن کیا، اور بغیر کسی رکاوٹ اور کسی نسلی یا تہذیبی بھید بھاؤ کے اسے قبولیت عامہ حاصل ہوئی، اور آج بغیر کسی سیاسی یا عسکری غلبہ کے اس کی مقبولیت اس کی افادیت وعالمگیریت روشن دلیل ہے۔

آج ملکی وعالمی سطح پر مذہب کے نام پر تصادم کی بنیادی وجہ یہی آفاقیت ومقامیت کی کشمکش ہے، یہودیت نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ آفاقی مذہب ہے بلکہ کسی کو اس مذہب میں داخل ہونے کی اجازت ہی نہیں ہے، لیکن اپنی دائمیت اور افادیت پر اس کو اصرار ہے اور سبھی مذاہب کو وہ اپنا خوشہ چیں دیکھنے کا خواہش مند، یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر بین المذاہب تصادم کے پس پردہ اسی کی تخریبی سازشیں ہی کارفرما ہیں۔ عیسائیت کو اپنی آفاقیت پر ضد ہے لیکن اس کی حقیقت اور افادیت سے وہ بالکل خالی ہے، بلکہ اس میں اتنی مضبوطی بھی نہیں کہ حالات کے چیلنجز کے سامنے وہ ٹک سکے، رہی بات سناتن دھرم کی تو اس کے پاس نہ آفاقیت اور نہ دائمیت ہے اور نہ ہی ایسے کسی دعویٰ کی جرأت، بلکہ حکومت واقتدار حاصل کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے جس کے نام پر سیاست کی بساط بچھائی جاتی ہے۔

کسی بھی مذہب کی آفاقیت ودائمیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مکمل نظام حیات ہو، خواہ اس کا تعلق ذاتی واجتماعی نظام سے ہو یا سیاسی انتظام سے، اس ناحیہ سے کسی بھی مذہب کے پاس بنیادی اصول بھی نہیں ہیں، اور نہ ہی کسی مذہب میں ایسے دعوے کی جرأت ہے، جبکہ اسلام نہ صرف بنیادی اصول فراہم کرتا بلکہ فروعات کے ساتھ ان کی عملی مثالیں بھی پیش کرتا ہے، اور قیامت تک دنیا کی ہر قوم اور ہر خطہ کے لیے مکمل نظام حیات اور دائمی وپائدار امن کا منشور بھی پیش کرتا ہے لیکن دیگر مذاہب کے ٹھیکیداروں کے ذاتی مفادات اسلام کی پیش رفت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں جس کے نتیجہ میں پوری دنیا حقیقی امن وسکون سے محروم ہے۔

سیّد احمد شہید اکیڈمی کی اردو مطبوعات

☆ حدیث نبوی ﷺ -/160

از: علامہ عبدالحی حسنیؒ

☆ قرآنی افادات (اول) -/250

☆ قرآنی افادات (دوم) -/260

☆ سیرت رسول اکرم ﷺ -/200

☆ اسلام کے تین بنیادی عقائد -/80

☆ مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی -/30

☆ مالیات کا اسلامی نظام -/30

☆ تذکرہ مولانا حکیم ڈاکٹر سیّد عبدالعلی -/80

☆ علماء کا مقام اوران کی ذمہ داریاں -/110

☆ مدارس اسلامیہ -/130

☆ نظام تعلیم -/60

☆ اسلام اور علم -/80

☆ طالبان علوم نبوت (اول) -/140

☆ طالبان علوم نبوت (دوم) -/100

☆ تعمیر انسانیت -/130

☆ حیات عبدالحیؒ -/200

☆ متاع دین ودانش -/210

☆ انسانیت کی مسیحائی -/220

از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆ خانوادۂ علم اللّٰہی -/150

☆ صادقین صادق پور -/55

☆ مشہد بالاکوٹ -/20

☆ سوانح محمد الحسنیؒ -/250

از: مولانا محمد ثانی حسنیؒ

☆ قرآن آپ سے مخاطب ہے -/40

☆ تذکرۂ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ -/100

☆ جادۂ فکر وعمل -/60

☆ انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے -/30

از: مولانا محمد الحسنیؒ

☆ امت مسلمہ (رہبر اور مثالی امت) -/110

از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی

☆ تذکرہ مولانا کرامت علی جونپوریؒ -/35

از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

☆ نیک صحبت کی ضرورت -/30

☆ اخلاص اوراس کے ثمرات -/30

☆ مثالی اخلاق -/30

☆ حقیقت توحید -/50

☆ خطبات داعیٔ اسلامؒ (۵/جلدیں) -/450

☆ تذکرہ مفکر اسلامؒ -/60

☆ حقیقی محبت -/40

☆ محبت صحابہؓ -/40

☆ محبت اہل بیتؓ -/30

☆ کاروان انسانیت -/60

از: مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

☆ آسان معانیٔ قرآن -/450

☆ حدیث کی روشنی -/40

☆ سوانح مفکر اسلامؒ -/300

☆ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دعوت وفکر کے اہم پہلو -/200

☆ اصلاح معاشرہ -/80

☆ اسلامی عقائد-قرآن وسنت کی روشنی میں -/70

☆ صحاح ستہ اوران کے مصنفین -/80

از: بلال عبدالحی حسنی ندوی

☆ تجہیز وتکفین کتاب وسنت کی روشنی میں -/50

☆ مسلکی اختلافات اور راہ اعتدال -/150

از: مفتی راشد حسین ندوی

☆ امام شافعیؒ-مجدد قرن ثانی -/200

از: عبدالسبحان ناحد اندوی

☆ تذکرہ حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ -/140

☆ سیرت داعیٔ اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ -/380

☆ تاریخ اصلاح وتربیت -/400

محمود حسن حسنی ندوی: از

ملنے کا پتہ: دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یو.پی.) موبائل:9919331295

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 07 NOVEMBER 2015 Issue: 11

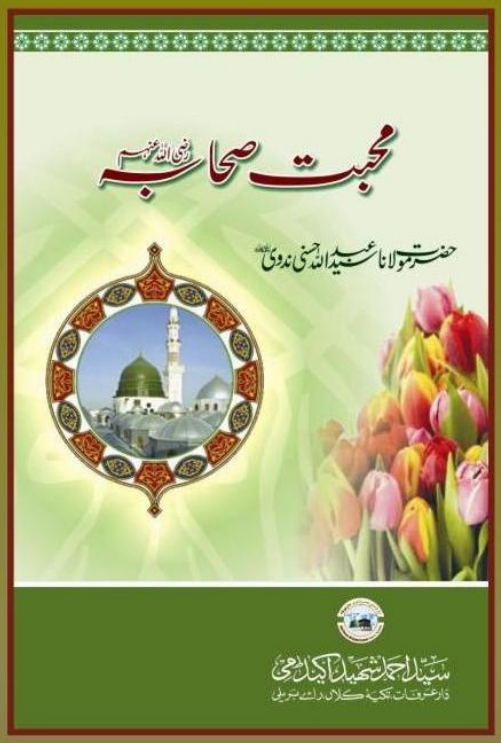

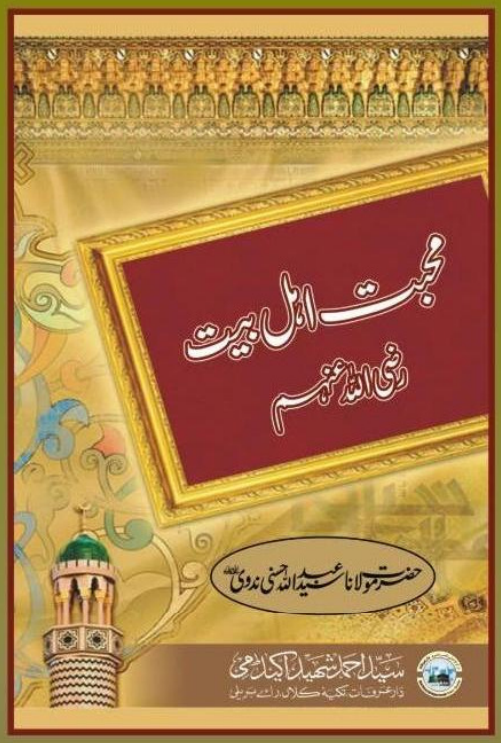

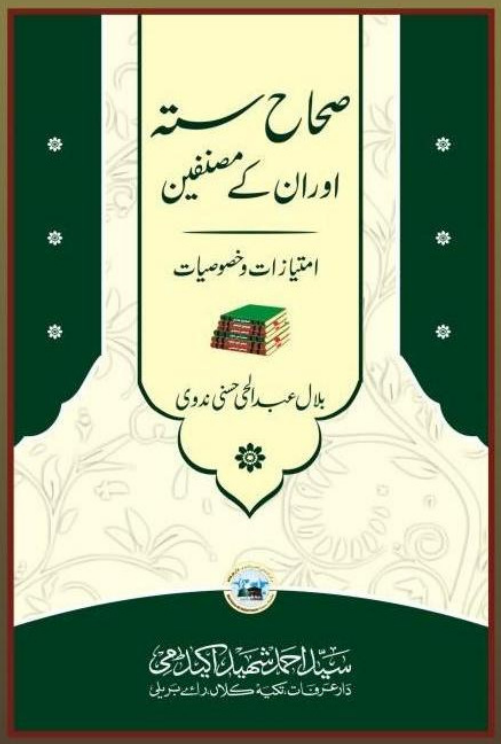

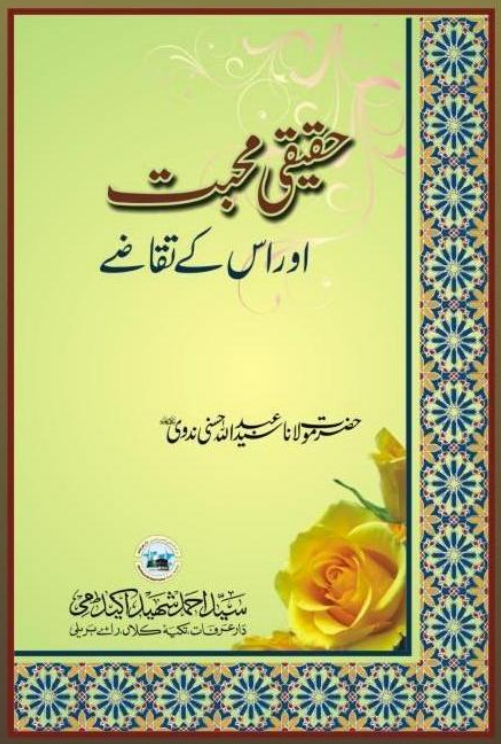

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi